UNIVERSAL LIBRARY

OU_188870

UNIVERSAL LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

فہرست کتب

(از تصانیف)

ہز اکسلنسی راجہ راجایان کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنۃ کے سی آئی ای جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام سرکار عالی

المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف غفران مکان علیہ الرحمہ

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	سیر پنجاب	عہ/	۲۸	دسہرا	۴/
۲	سیر و سفر	۴/	۲۹	صبح امید	۲/
۳	سفر دو ہفتہ	عہ/	۳۰	ارمغان وزارت	عہ/
۴	روزنامچہ شاد نگر	عہ	۳۱	مجموعہ مناجات	۴/
۵	سفر گلبرگہ	۲/	۳۲	شگوفہ بہار	۲/
۶	تفریح شاد	مہ	۳۳	دین حسین	۴/
۷	جام جہاں نما	عہ/	۳۴	ماتم حسین	۴/
۸	بزم خیال ہر سہ حصہ	ے	۳۵	سپاس نامہ	۴/
۹	رباعیات شاد	عہ/	۳۶	مخزن القرآن	۵/
۱۰	ہدیہ شاد	عہ/	۳۷	نور چشم	۸/
۱۱	ابتہاج محبوب گنج	۱/	۳۸	آشوب عظیم	۳/
۱۲	گلبن تاریخ	۲/	۳۹	مثنوی آئینہ وجواد	۳/
۱۳	نسیم سحر	۲/	۴۰	مثنوی سر وجود	۳/
۱۴	نذر شاد	۲/	۴۱	اقوال حضرت علی	۸/
۱۵	فریاد شاد	۱۲/	۴۲	سوسیہ پرکاش	۸/
۱۶	آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں	۳/	۴۳	کرشن کلا	۸/
۱۷	موتیوں کی لڑی	۴/	۴۴	ربن بسیرا	۲/
۱۸	مطلع خورشید	۸/	۴۵	نظم دو حصہ	۶/
۱۹	ایمان شاد	۴/	۴۶	معراج ترقی	۲/
۲۰	خمار شاد	۲/	۴۷	قومی لیڈر	۴/
۲۱	آئینہ وحدت	۴/	۴۸	کلام شاد	عہ/
۲۲	بزم توحید	۲/	۴۹	عرض حال	۲/
۲۳	روضہ شرلیت	۵/	۵۰	ربن بسیرا	زیر طبع
۲۴	نذر سلطانی	۵/	۵۱	قدوم سلطانی	"
۲۵	جذبہ شاد	۴/	۵۲	جواب باصواب	۲/
۲۶	نغمہ شاد	۶/	۵۳	جنجل نار	زیر طبع
۲۷	گیان درپن	۶/	۵۴	ضلع جگت اور پریم بگن	"

ہوالکل   یامعین

تعالیٰ شانہ

سفر کے فوائد | تہذیب اور شایستگی کا عمدہ اور اعلیٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام ۔ خوشی ۔ اور تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسروں کو بھی اس سے فائدہ پہونچے اور ایسے وسیلے بہم پہونچائے جائیں جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جائے ۔ باقی وہ امور جو طرز معاشرت اور طریق تمدن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسر زندگانی کے ایسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شایستہ اور مہذب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب وہوا وغیرہ کے لحاظ سے اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ ان امور میں سے کس امر سے مجھ کو آرام ملیگا اور کس سے میں بخوبی تندرست رہ سکتا ہوں کونسی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور میرا کونسا کام دوسروں کے لئے مفید ہو سکتا ہے ۔

جس آدمی کا خیال شایستہ ہے اس کے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں جس سے تمام خوشیاں اور آرام جو تہذیب وشایستگی کا نتیجہ ہیں حاصل

ہوں۔ گھر کی چار دیواری میں ہم کو شائستگی و تہذیب کی بلندی کا زینہ ہرگز نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے ہم کو لازم ہوا کہ سفر کریں۔ دنیا کے عجائبات پر نظر ڈالیں ہر ملک اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے طرز معاشرت اور طریقہ تمدن کو دیکھیں اور تبادلہ خیالات کریں۔

ہمارے خیالات اس وقت تک عمدہ اور شائستہ نہیں ہو سکتے جب تک کہ دوسروں کے خیالات سے تبادلہ نہ کیا جائے۔ جس طرح مال و دولت پھیر بدل سے بڑھتا ہے اسی طرح خیالات کی بھی سفر کی دلچسپیوں سے ترقی ہوتی ہے سفر کے اثرات نہایت وسیع ہیں۔ انسان کے تمام افعال ارادی۔ اخلاق معاملات۔ معاشرت۔ تمدن۔ طریقہ تمدن۔ صرف اوقات۔ علوم تمکین وقار اور قدر و منزلت۔ عجائبات قدرت کا نظارہ ہر ملک کے لوگوں سے تبادلہ خیالات معلومات صحت اور شہرت وغیرہ یہ تمام باتیں ایک سفر ہی سے وابستہ ہیں تمام دنیا کے بانیان مذاہب نے عام اس سے کہ وہ کسی مذہب و ملت کے حامل ہوں السفر وسیلۃ الظفر کی صداقت کو ایک حد تک تسلیم کر لیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ اس پر معنی جملے میں دینی اور دنیوی ترقیات کے بیشمار اسرار پوشیدہ ہیں سفر کی برکتوں کے اثرات کا سرمایہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اس کی تفصیل بیان کی جائے۔ قدیم یونانی فلسفہ اور حکمت نے سفر ہی کے دامن میں پرورش پاکر دنیا میں روشنی ڈالی تھی۔ اور اب فلسفہ اور حکمت جدیدہ نے سفر ہی کی بدولت

نشو ونما پاکر علوم یونانی کی غلطیاں نکال کر علوم جدیدہ کی مستحکم بنیاد قایم کر دی ہے مغربی اقوام کی جہالت ۔ بداخلاقی ۔ ناشایستگی پر زیادہ نہیں صرف دو تین سو برس اُدھر اگر نظر ڈالی جائے تو تیرہ وتار گھٹا چھائی ہوئی نظر آئے گی ۔ علم کی تحصیل کو تحصیل حاصل جانتے تھے علم کا دعوی تو درکنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی ۔ تہذیب وشایستگی ۔ اخلاق و عادات کاہلی وعیش پسندی کے ایسے گہرے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جن کی بدشمار نگت اس قوم کے لئے ذلیل ادبار ہوگئی تھی ۔ مگر انہیں میں سے قوم کے باہمت افراد کھڑے ہوگئے اور مختلف حصص دنیا کا سفر کرکے اپنی قومی ترقی کے لئے دلیل راہ بن گئے آج وہی قوم ہے جس کی اقبال مندانہ ترقیوں میں چار چاند لگ گئے ہیں ۔ سفر اخلاقی اور روحانی نیکیوں کی تعلیم دیتا ہے ۔ تمدن اور حسن معاشرت کی اصلاح کرتا ہے ۔ صناع ازل کی دلچسپ سینریاں اور کوہ وصحرا کے مناظر دکھاتا ہے اور زمانہ کے طبایع علوم اور علوم کے نتایج سے آگاہ کرتا ہے ۔

سفر اس امر کا دعوی کرتا ہے (اور ایک حد تک اس کا یہ دعوی صحیح اور قابل العمل بھی ہے) کہ میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالوں گا ۔ اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملا دوں گا ہر روز اپنے پیروں کو نئے نئے مناظر دکھاؤں گا کسی دل کو ایک دن بھی بیکار نہ بیزار ہنے دوں گا ۔"

سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اس نے فلسفہ کو آسمان سے اتارا اور

انسانوں میں بسایا مگر سفر کا دعوے ہے کہ :-

"میں فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھریوں میں سے نکال کر جلسوں اور چار و قہوہ پینے والوں کی مجلسوں تک پھیلا دوں گا اور ہر ایک دل پر تہذیب شایستگی اخلاق علم اور روحانی نیکیوں کی روشنی کا اثر ڈالونگا کاہل شخص کو مستعد و محنتی بنا دوں گا - بزدل کو بہادر سپاہیوں کی صفوں میں نمایاں طور پر کھڑے رہنے کی قوت دوں گا - تجارت - صناعت - حرفت - زراعت کے طریقوں کو رواج دیکر ترقی اور کامیابی کے ذرایع بتا دوں گا امرا و متمول لوگوں کو غربا کی اعانت اور صلاح حال کی توفیق دوں گا - غربا کو متمول بنا دونگا ہمدردی پاکیزگی خیال - تہذیب شایستگی خاص باتیں خصوصیت کے ساتھ مجھ سے وابستہ ہیں جو اپنے پیروؤں کو دوں گا - ہر ملت و مذہب کے پابند کو ان کی منزل مقصود تک پہونچا کر فیض زیارت ہادیان دین و مذاہب سے کامیاب کروں گا - تعصبات مذہبی کو زائل کر دینے میں ہر موحد کی پوری مدد کروں گا"

میں جہاں تک اپنے خیالات کی وسعت سے کام لیتا ہوں دنیا میں کسی شخص کو ان دعووں کی تردید کرنے والا نہیں پاتا - بے شک سفر ایسا ہی مبارک درخت ہے جس کی شاخوں میں دین و دنیا کی کامیابی کے میوے لدے ہوئے ہیں - یہی وہ دریا ہے جس کی تہ میں سویلزیشن - تہذیب

شائستگی - پاکیزگی خیال، معاشرت، تمدن، صحت اور عافیت کے کروڑوں چمکدار موتی پڑے ہیں - یہ موتی کسی کو نہیں ملتے مگر سفر کرنے والوں کو ملتے ہیں

اس تمہید کے بعد میں اپنے سفر کے واقعات پبلک میں پیش کرتا ہوں یہ میرا پانچواں سفر ہے - جس کا یہ مختصر روزنامچہ ہے - میں ایک مدت سے اپنی اس دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے لئے نعل در آتش تھا کہ ست گرو ا پاسنی مہاراج کی قدمبوسی سے سعادت دارین حاصل کروں -

فقرا میں جلوہ ذات مہا رشی ست گرو ا پاسنی مہاراج کی بابرکت ہستی سرزمین ہند پر بسنے والی دو بڑی قوموں یعنے ہندو اور مسلمان کے روحانی اتحاد کا ایک بے زنگ آئینہ ہے - ایک ہندو مہاتما کا کسی مسلمان بزرگ سے یا ہندو سے کسی مسلمان کا فیض پانا کوئی نئی بات نہیں ہے صفحات تاریخ اس کی نظیروں اور مثالوں سے مالا مال ہیں - چونکہ یہ ایک تازہ واقعہ ہے اور ٹھیک اس وقت ظہور پذیر ہوا ہے - جب کہ ہمارے ملک کے ہر گوشہ میں ہندو مسلمانوں کی ظاہری اتحاد کے لئے جان توڑ کوششیں ہو رہی ہیں اور ایک حد تک ان میں کامیابی کی جھلک نظر آتی ہے - مہاتما گاندھی کی کوشش ہے کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنے باہمی اختلافات کو مٹا کر ایک ہی رشتہ میں منسلک ہو جائیں - کیا عجب ہے کہ یہ ارادہ صدق و عقیدت ایکایت اور اپنایت کی بیل منڈھے چڑھے - لیکن اس وقت ایک ظاہری مثل

اپاسنی مہاراج کی بابرکت ہستی ہے۔

کائنات میں جس قدر موجودات ہے سب کی صورتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہر درخت اپنی شان میں یکتا ہے ہر پہاڑ اپنی صورت کا ایک ہے۔ ہر حیوان کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی اور انسان باوجود اس کے کہ اعضا یکساں رکھتا ہے شکل میں دوسرے انسان سے نہیں ملتا وہی دو آنکھیں ہیں وہی ایک ناک ہے وہی رخسار وہی پیشانی وہی دانت وہی ہونٹ زبان ہے مگر کیا مجال کہ ایک چہرہ دوسرے چہرہ سے ملجائے۔ لسان العصر اکبر مرحوم فرماتے ہیں ؎

یہ اختلاف صورت فطرت کی مستیاں ہیں
یہ انکشاف معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں

اسی مستی کے جوش نے یہ رنگا رنگی پیدا کی ہے اور اس رنگا رنگی کے جو نئے نئے معنی نکالے جاتے ہیں۔ یہی ہمارے ذہن کی رفتار ہے حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی مدظلہ العالی نے اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ بصراحت ادا کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کا ذہن جداگانہ مطلب پیدا کرتا ہے حالانکہ حقیقت واصلیت ان سب معانی اور مطالب سے جدا ہوتی ہے۔ سوامی وویکانند نے امریکہ میں کہا تھا کہ اگر ایک گائے خدا کا تصور کرے تو یہی خیال کرے گی کہ خدا ایک بڑی گائے ہے اور ایک شیر خدا کا دھیان کرے تو وہ اس کو بڑا شیر اور جانوروں کو ہلاک کرنے والا جانور خیال کرے گا۔ انسان نے بھی جس قدر

صفات خدا کی مقرر کی ہیں وہ سب وہی ہیں۔ جو خود اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ آدمی دیکھتا ہے۔ اس لئے خدا کی نسبت اس نے کہا کہ وہ بصیر ہے یعنے دیکھنے والا ہے۔ آدمی سنتا ہے اس لئے کہا کہ خدا سمیع ہے انسان میں رحم کا مادہ ہے اس لئے خدا کو بھی رحیم ورحمن سمجھا۔ انسان انصاف کرنا چاہتا ہے تو خدا کو بھی عادل سمجھتا ہے۔ غرض آدمی اپنی ہی ہر حالت پر قیاس کر کے خدا کا تصور کرتا ہے۔ یورپ کے آدمی اور امریکہ کے باشندے جب خدا کا خیال کرتے ہوں گے تو وہ اس کو کارخانے بنانیوالا بھاپ اور بجلی کی حکمتوں میں مصروف رہنے والا اور رات دن روپیہ کی فکر میں غلطاں پیچاں تصور کرتے ہوں گے۔ ہندوستان کے آدمی اپنے خیالات کے بموجب یہ خیال کرتے ہوں گے کہ کچھ نہیں ہے۔ محبت ہی ہے اس لئے ست۔ رج۔ تم کی صفات کو ظاہر کیا ہے۔ شیو کے اپاسنا کرنیوالوں سے پوچھو کہ تم اپنے ماتھے پر تین لمبی لکیریں کیوں بناتے ہو تو وہ کہدیں گے ستوگن۔ رجوگن۔ تموگن کی علامتیں یاد رکھنے کے لئے یہ نشانات ہیں۔ رامانندی لوگوں سے پوچھو تم نے ماتھے پر تین لکیریں کیسی بنائی ہیں جو شیو اپاسکوں کے برخلاف بالوں کی طرف سے ناک کی طرف کھینچی گئی ہیں تو وہ جواب دیں گے۔ سیتا۔ رام۔ لچھمن کی یاد ہے ادہر رام۔ ادہر لچھمن بیچ میں سیتا۔ کہ محبت کے تین پتلے پیشانی پر درخشان رہیں قصہ مختصر

تمام معانی و مطالب ہستی جو بیان کئے جاتے ہیں یہ اپنی ذہنی دماغی حالت کا اقتضا ہے۔ ورنہ خدا کی ذات ان سب سے اعلیٰ و برتر ہے اور اسی واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا ہے ماعرفناک حق معرفتک اور پیروں نے بھی اسی کی تقلید کی ہے۔ جس کے معنی یہ ہوں گے۔ ہم نے تجھ کو تیرے پہچاننے کے حق کے موافق نہیں پہچانا"۔

پس اُپاسنی مہاراج کی ہستی کو ہر شخص اپنی عقل اور سمجھ کے موافق رنگا رنگ کا لباس پہناتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ یہ تو ہندو ہیں۔ غیر خدا کی پوجا پاٹ کی اپنی قوم کو تعلیم دیتے ہیں کوئی کہتا ہے ان کا وجود مسلمانوں کی حکمت عملی ظاہر کرنے کا تھا کہ سائیں بابا ایک مسلمان درویش نے ایک برہمن کو اپنا مرید اور خلیفہ کر کے ہندو مذہب سے نکال لیا اور اسی کو اپنا جانشین بنا کر دوسرے ہندوؤں کو مسلمان کرنے کی سڑک بنا دی تیسرا شخص کہتا ہے کہ ہندو مہاراج نے مہر بابا ایک پارسی کو نظر مہر سے اس واسطے دیکھا کہ پارسیوں میں بھی اسلامی حکمت کے خیالات پھیل جائیں۔ غرض ہر شخص اپنے اپنے خیال اور اپنے حال کے مواقف مہاراج کی ہستی کی تاویل کرتا ہے المرء یقیس علیٰ نفسہ آدمی خود اپنے اوپر دوسروں کو قیاس کیا کرتا ہے۔

مگر اصلیت ان کی ہستی کی خیالات مذکورہ کے خلاف ہے اُپاسنی مہاراج نہ مسلمانوں کو بت پرستی سکھاتے ہیں نہ ہندوؤں کو مسلمان بننے کی ہدایت

کرتے ہیں نہ پارسیوں کو اسلامی تعلیم کا حلقہ بگوش بناتے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ فقرا وہ مذہب نہیں رکھتے جو آپس میں بیر رکھنا سکھاتا ہو یا جس کو نادان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مذہب وہی ہے جو دنیا میں فرقہ بندی کے تعصبات پیدا کرے بلکہ فقرا کی ذات جلوہ الٰہی ہوتی ہے خدا کی ذات کسی مذہب کسی قوم اور کسی خاص فرقہ کی طرف دار نہیں ہے اور نہ خدا کسی قوم اور مذہب کا ہے یہ جو فرقہ پرست عقیدے کے لوگ ہیں خواہ کسی قوم کے ہوں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا فرقہ ناجی ہے باقی ناری۔ مگر اللہ تعالیٰ کا رحم و قہر عام ہے نہ کہ خاص۔ ہر کوئی سمجھے سو مہر کا ہوئے۔ کیوں کہ وہ سورج کی روشنی۔ گرمی۔ سردی۔ ہوا۔ پانی۔ بھوک۔ پیاس۔ خوشی و غم سب آدمیوں کو برابر دیتا ہے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا یہودی پارسی ہوں یا منکر خدا۔ گورے ہوں یا کالے۔ امیر ہوں یا غریب ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ۔ عورت ہو یا مرد۔ بچے ہوں یا جوان۔ خدا نیک و بد کی بھی پرواہ نہیں کرتا وہ شراب خواروں اور حرام کاروں کو بھی نیند۔ کھانا پانی اور ہوا اور روشنی دیتا ہے اور عابد و زاہد لوگوں کو بھی۔ پس فقرا وہی ہیں جو خدا کے دستور کے موافق کسی فرقے اور کسی مذہب کے طرفدار نہ ہوں سب کو ایک ہی نظر سے دیکھیں اور سب میں ایک ہی جلوہ پائیں سائیں بابا مسلمان تھے مسلمان رہے مسلمان مرے۔ مہاراج برہمن تھے

برہمن ہیں اور برہمن کی نسلی حالت میں دنیا سے جائیں گے۔ مہر بابا پارسی ہیں پارسی رہیں گے اور اسی قومیت میں ان کا انجام ہوگا۔ مگر جو چیز کہ ذات پات کے جھگڑوں سے اونچی اور علیحدہ ہے وہ سائیں بابا میں تھی اور مہاراج میں بھی ہے۔ اور مہر بابا بھی اس کا مظہر ہیں۔ لہذا جو شخص اپاسنی مہاراج کے وجود کو دیکھنا چاہے اس کو پہلے مذہبی و قومی تعصبات سے جدا ہو جانا چاہیئے ورنہ اس کا دل مہاراج کے طریق عمل سے گھبرانے لگیگا کہ ان میں کہیں بت پرستی کی شان نظر آتی ہے کہیں اسلامی تعلیم کا جلوہ کہیں کچھ کہیں کچھ۔

ست گرو اپاسنی مہاراج کی ہردلعزیزی پر اس قدر بحث کرنے کے بعد میں اپنے اصلی مطلب کو ظاہر کرتا ہوں مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو فقیر شاد نے اپنے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار کو مہاراج موصوف کی خدمت میں بعض حالات کی دریافت کے لئے بھیجا اور ضمناً حاضری کی اجازت بھی چاہی گئی۔ وہ گئے اور آئے مگر میں تشنہ کام تشنہ ہی رہا اور میرا شوق غبار صاحب کے ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے اور ترقی کر گیا۔ چونکہ ہر کام کو ایک وقت معین ہے آخر وہ وقت آگیا کہ میری آرزو پوری ہوا اور میرا شوق پروان چڑھے۔ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ روز جمعہ غبار صاحب کو ساکوری جانے اور وہاں مکان اور سواری کا انتظام کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ انھوں نے احمد نگر پہنچکر بذریعہ ٹیلگرام اطلاع دی کہ تین خیموں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ بتاریخ ۱۶ محرم کو ہم ساکوری گئے اور

سست کر دیا سنی مہاراج سے فقیر کی حاضری کی اجازت حاصل اور مکان و سواریوں کا انتظام کرکے اسی روز احمد نگر آکر مسٹر گنڈیراؤ معتمد اسٹیٹ سے بذریعہ ٹیلگرام دریافت کیا کہ "سرکار کب اور کس لین سے سوار ہوں گے" اس کا جواب سید عبدالحسین ناظم انگریزی نے دیا کہ آج ۱۰ محرم شنبہ کے پانچ بجے کی ٹرین سے سرکار سوار ہوتے اور بڑی لین سے آتے ہیں۔

۱۰ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۳ | ۱۶ اگست سنہ ۱۹۲۴ء | ۱۰ مہر سنہ ۱۳۳۴ شنبہ — فقیر نو بجے دن کے معہ فیاملی اور تخمیناً (۶۰-۷۰) ملازمین کے اسٹیشن نامپلی پر اپنے اسپشل ڈبوں میں یہ شعر پڑھتا ہوا سوار ہوا ؎

کردہ ام عزم سفر لطف خدا یارم باد
ہمت اہل نظر قافلہ سالارم باد

فقیر کو رخصت کرنے اور خدا حافظ کہنے کے لئے حسب ذیل احباب آئے تھے جن کی اس خلوص محبت کا یہ فقیر تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

نواب لیاقت جنگ بہادر۔ نواب فرخندہ نواز جنگ بہادر۔ حکیم مقصود علیخاں صاحب سید عبدالرؤف صاحب شوق جعفری۔ عینی شاہ صاحب۔ نواب رحیم الدینصاحب لطف الدین صاحب تعلقدار ضلع الوال۔ گلزار علی شاہ صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب نواب قادر علی خاں دولھا نواب۔ نواب لائق علی خان دولھا نواب مسٹر گنڈیراؤ معتمد اسٹیٹ۔ غلام احمد جمعدار لچھمن راؤ جمعدار دغیرہ وغیرہ۔ ان

سب اہل دنیا کے علاوہ ۔ ایک مجذوب جو قریب اسٹیشن کے تھے جنکو لوگ عالمگیر پکارتے ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی اپنے کو عالمگیر بادشاہ کہتے ہیں آئے اور اسٹیشن پر سب لوگوں سے کہا انتظام سفر کے لئے آیا ہوں سب ہوشیاری کے ساتھ رہنا ۔ فقیر نے انہیں طلب کیا کہ تا ورشن کرلوں جس کا جواب یہ دیا کہ سب انتظام کرچکا ہوں پھر ملوں گا ۔

میرے ہمراہیوں میں منجملہ اور تمام ملازم کے سید عبدالحسین صاحب منتظم انگریزی مع اپنے مددگار مظہر علی خاں کے ۔ جگناتھ پرشاد مہتمم جیب خاص مع مصرف کے دولہا راجہ اقبال چند صاحبزادہ میر سلیمان علیخان دولھا پادشاہ بھی ہیں ۔

ساڑھے پانچ بجے شام کے ہمارے اسپشل ڈبے پاسنجر ٹرین میں آلج کئے گئے اور ہم مع اپنے تمام ہمراہیوں اور متعلقین کے رب انزلنی منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین ۔ پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے ۔ حکیم مقصود علیخاں نصاحب نے خدا حافظ کہتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

اے خوش آں روزے کہ بینم از رخ فرخ فال تو ۔ از سفر آئی و من آیم باستقبال تو

سید عبد الرحمن شوق جعفری نے رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

بمحفل شمع تابانی گلستان رنگ و بو باشی ۔ الٰہی ہر کجا باشی بہار آبرو باشی

گیارہ بجے شب کے ہماری ٹرین واڑی جنکشن اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر ڈھونڈ جنکشن کی طرف روانہ ہوئی ۔ گیارہ بجے دن کے ہم ڈھونڈ اسٹیشن پر پہنچے

ابھی یہاں سے ہماری ٹرین روانہ نہ ہوئی تھی کہ خبر آئی - ڈھونڈ اسٹیشن سے دو اسٹیشن آگے باونڈری پر پٹری ٹوٹ گئی مال گاڑی کے ڈبے الٹ گئے راستہ بند ہے - ہر چند غور کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا - اگر راستہ صاف ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے تو کم از کم تین چار روز بے ضرورت یہاں قیام کرنا پڑتا ہے - آخر یہ رائے قرار پائی اور اس کے سوا چارہ بھی نہ تھا کہ ہم پونہ اور وہاں سے کلیان ہوتے ہوئے منماڑ کے راستے سے چالیس اسٹیشن اور وہاں سے ساکوری جائیں -

اس کو حسن اتفاق کہیے یا منجانب اللہ تائید یا بزرگان دین کا روحانی تصرف کہ حضرت باباجان پونے والی رابعۂ عصر کا بھی ایک مدت سے تشنۂ آرزوئے قدم بوسی تھا - خدا نے یہ ایک قدرتی سامان کر دیا اور حضرت باباجان کی قوت کشف نے میری آرزو کو محسوس کر کے باطنی اور پراسرار جذب سے کام لیا کہ ڈھونڈ سے آگے سڑک شکستہ ہو گئی اور پونہ کی طرف سے آنا ہوا جس کے سبب حضرت باباجان کی شرف زیارت سے سعادت دارین حاصل کر سکا - یہ اگرچہ عورت ہیں مگر اسے کو مرد کہتے ہیں درحقیقت میدان توحید کے یہ مرد ہی ہیں - پروگرام درست کر کے منتظم انگریزی کو حکم دیا کہ ہمارے ڈبے پونہ جانے والی ٹرین میں لگائے جائیں اور غبار صاحب کو تار دیا جائے کہ فوراً پونہ میں آکر مجھ سے ملیں اور ہم (۷) بجے شب کے ڈھونڈ سے روانہ ہو کر قریب نو بجے کے پونہ پہونچا - سائڈنگ میں

ڈبے کھڑے کر دئے گئے۔ صبح کے نو بجے بچوں کو ساتھ لیکر بعض شاپوں میں گیا اور بچوں کے واسطے ان کے حسب خواہش سامان خریدا۔

غبار صاحب کو وہ تار ۱۹ محرم پنجشنبہ کو (۶) بجے صبح کے احمد نگر میں ملا وہ مجرد تار پہونچنے کے اپنا سامان معہ خیموں کے ساکوری روانہ کرکے ۹ بجے موٹر میں سوار ہو کر قریب ایک بجے کے پونہ پہونچے اور اپنی حاضری کی اطلاع مجھے دی ۲ بجے میں ان سے ملا دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ اور ان کو حکم دیا کہ حضرت بابا جان کی ملاقات کو جانے کے لئے ۵ بجے موٹر تیار رہے۔ ۵ بجے میں سوار ہوا میرے ہمراہ برخورداران خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ۔ خواجہ عظمت اللہ سلمہم اللہ تعالی میر سلیمان علیخان دولھا پادشاہ اور غبار صاحب تھے جب ہم لشکر میں حضرت کی قیام گاہ کے قریب پہونچے دیکھا کہ حضرت ایک بزرگانہ سکون و وقار سے ایک درخت کے نیچے جہاں وہ اٹھارہ برس سے معتکف ہیں بیٹھے ہیں۔ عقیدتمندوں کا کثیر مجمع ہے قوالی ہورہی ہے حضرت محو سماع ہیں اور خوش ہیں۔ غبار صاحب نے سبقت کرکے سلام کیا۔ اور مصافحہ کرکے نور چشم ارجمن کمار عرف خواجہ پرشاد طولعمرہ کو پیش کرکے ان کی طرف جھکایا اور مضروب آنکھ دکھا کر کہا کہ :-

"میں پہلے بھی حاضری دے چکا ہوں اور اب پھر حاضر ہوا ہوں ان کی آنکھ میں لوہے کی کیل چبھ جانے سے بصارت میں کمی آگئی ہے۔ آپ کی توجہ کی ضرورت

ہے اس آنکھ میں روشنی آجائے" حضرت نے اس آنکھ کو بغور دیکھا اور انگلی آنکھ پر پھیر کر ہنستے ہوئے فرمایا کہ اب اچھی ہو جائے گی سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بعد میں قدمبوس ہوا اور نذر پیش کی۔ بچوں نے بھی نذریں پیش کیں۔ حضرت کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمایاں تھے پاس بیٹھے والوں کو روپیہ دکھاتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ برخوردار خواجہ نصر اللہ نے اپنا سر جھکایا تو حضرت نے گلے سے لگایا اور آبدیدہ ہو کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر سب بچوں کو گلے سے لگایا پیار سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ گانے والوں کو میں نے پانچ روپیہ انعام دیا فقراء کو خیرات تقسیم کی۔ پندرہ بیس منٹ تک سعادت حاصل کر کے واپس ہوا۔ قصد ہوا کہ (۸) بجے شب کو پھر حاضری دوں۔ غبار صاحب کو استجازت کے لیے بھیجا وہ گئے دیکھا کہ حضرت کی قوت جاذبہ بڑھی ہوئی ہے۔ ان کو دیکھتے ہی کہنے لگے اب کیوں آئے ہم بار بار کسی سے نہیں ملتے۔ آج مجھے بہت کام ہے رخصت نہیں جاؤ چلے جاؤ اب ٹھہرو گے تو اچھا نہ ہوگا وہ چلے آئے ان کی اس اطلاع پر میں نے بھی اپنا ارادہ ملتوی کیا اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت باباجان ہیں کون بزرگوار ان کے ابتدائی حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے سنہ ۱۹۰۳ع سے آپ کے حالات روشنی میں آئے ہیں۔ اس سال حیدری نامی جہاز سے حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے۔ اس جہاز میں نور محمد قاسم مٹھا۔ نور محمد عرف نما بتکھے والا اور سیٹھ صالح محمد الیاس کپڑے والے اور حیدر ابراہیم سایانی اسسٹنٹ

پروفیسر دکن کالج بھی اپنی والدہ اور بھائی کے ہمراہ تھے۔ سوار تھے۔ جہاں ان لوگوں نے آپ کی بہت سی کراماتیں دیکھیں۔ راستہ میں جہاز طوفانی ہوا اور سب لوگ اپنی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے تھے اس وقت آپ نے بحالت جذب نور محمد عرف نما کو کہا کہ گلے میں رومال باندھو اور جہاز کے نیچے نیچے سے ایک ایک پیسہ لے اور خدا سے کہو کہ خدایا ہمارے جہاز کو بچا ہم تیرے محبوب کی مدینہ میں نیاز کریں گے چنانچہ ایسا کیا گیا جس میں جہاز کے انگریز بھی شریک ہوئے اور جہاز ڈوبنے سے بچ گیا۔

آپ سائیں صاحب کی الدہ کے ہمراہ جدہ سے مدینے تشریف لے گئے حضرت ابراہیم ادھم رح کے مزار اقدس سے آگے دیکھا گیا کہ جہاز پر جو حالت جذب آپ پر طاری رہتی تھی وہ سلوک سے بدل گئی اور آپ نے تا قیام مکہ و مدینہ پنجوقتہ نماز ادا کی اور ہر کام کاج ہوشیاروں کی طرح کیا سنہ ۱۹۰۴ء میں واپسی کے وقت آپنے جدہ میں پانچ مہینے قیام کیا یہاں آپ کی حالت پھر مجذوبانہ ہوگئی جہاز پر آپ خلاصیوں سے انگریزی میں بات چیت کرتے تھے۔ قریباً سنہ ۱۹۰۵ء میں آپ پونہ تشریف لائے اور لشکر میں چار باؤڑی کے کنارے درخت کے نیچے قیام کیا۔ یہ جگہ آپ کو ایسی پسند آئی کہ آجتک یعنے ۱۸ برس سے آپنے اس کو نہیں چھوڑا اور سردی گرمی بارش اسی جگہ بسر کرتے ہیں۔ جسمانی حالت جو ۱۸ برس پہلے تھی دیکھنے والے کہتے ہیں کہ اب بھی وہی ہے عمر کا اندازہ

سو برس سے زیادہ لگایا جاتا ہے۔ آپ کو سب لوگ بابا جان کہتے ہیں۔ مائی بابا جان صاحب
کوئی کہتا ہے تو سخت ناراض ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں عورت نہیں ہوں مرد
ہوں۔ پشتو اور فارسی زبان نہایت صاف اور تیز بولتے ہیں۔ حافظ اور امیر خسرو علیہم الرحمۃ
کے کثرت سے اشعار برزبان ہونا سنا جاتا ہے۔ غصہ کے وقت غصہ اور محبت کے وقت
انتہائی محبت فرماتے ہیں۔ کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے پھول تک کوئی لیجاتا ہے تو
آپ بگڑ جاتے ہیں روپیہ پیسہ تو درکنار۔ اور جب کبھی کسی کی کسی قسم کی نذر قبول
کر لیتے ہیں تو وہ اس کی کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا ہے چنانچہ فقیر کے اور فقیر کے بچوں
کی نذریں بخندہ پیشانی قبول کیں۔ اور اس فقیر کو ارشاد ہوا کہ ایک لاکھ روپیہ دیتا ہوں خدا
جانے اس کا کیا مطلب تھا۔ برخوردار خواجہ پرشاد طول عمرہٗ کی مضروب آنکھ کی طرف
توجہ دلائی گئی تو غور سے دیکھکر فرمایا کہ یہ تو اچھی ہے۔ غبار صاحب نے عرض
کیا کہ الحمد للہ اچھی ہے مگر انسان کے شناخت نہیں ہوتی۔ فرمایا کہ ہو جائے گی۔ جو اجا
نصر اللہ میرے لڑکے نے جب نذر دی تو اس کو پیٹ کر رونا شروع کیا واللہ اعلم کیا رمز تھا
فقیر نے پھر قبل از روانگی ملکر جانے کا قصد کیا غبار صاحب نے جا کر پوچھا تو فرمایا
کہ بس اب نہ آنا۔ بہ نسبت پونہ والوں کے باہر والے زیادہ مستفیض ہو رہے ہیں
بیان کیا جاتا ہے کہ بابا جان پونہ کے با اختیار حاکم باطن ہیں
شب کے دس بجے ہم پونہ سے روانہ ہو کر چار بجے صبح کے کلیان پہونچے۔
انگریزی منتظم کو حکم دیا کہ ایک تار اجمیر شریف میں سید محمد حنیف صاحب وکیل

کو دیا جائے کہ کوئی مکان میرے لئے اُن مکانات سے جو سابق میں لیا گیا تھا۔ اگر ملے تو وہی لیں ورنہ کوئی دوسرا۔ مکان تیار رکھیں۔

۲۰ محرم سنہ ۱۳۴۳ھ
۲۲ اگست سنہ ۱۹۲۴ء
۱۶ مہر سنہ ۱۳۳۲ف

کلیان میں چند ساعت قیام کیا یہاں سے منماڑ کو جانے والی ٹرین میں ہمارے ڈبے لگائے گئے اور ہم (۸) بجے صبح کے کلیان سے روانہ ہوئے کھسرا اسٹیشن سے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو کر اگت پوری اسٹیشن پر ختم ہوا درمیان میں پہاڑوں کے اندر سے ریل کا جانا اور کئی کئی منٹ اندر رہنا ایک خطرناک حالت کا مقابلہ کرنا ہوتا تھا۔ اس قدر تاریکی ہوتی تھی کہ سیلون کی برقی روشنی بھی ماند تھی۔

پہاڑوں کی سینری بہارستان فطرت میں پہاڑوں کا ایک عجیب مرتبہ ہے کیسا ہی معمولی منظر ہو لیکن اگر وہ کسی اونچے پہاڑ پر نشیتی ہوتا ہے تو اس میں عجیب دلفریبی پیدا ہو جاتی ہے۔ سرسبز سر بفلک کشیدہ پہاڑ مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو شفاف سیمیں چشمے ان سے جا بجا اچھلتے کودتے نکلتے ہیں وہ اپنی مجموعی قوت سے دریا بہاتے اور عالم کی سرسبزی و شادابی کا موجب ہوتے ہیں۔ یہی پہاڑ ہیں جنکا نظارہ انسان کو اپنی بے حقیقتی و بے بضاعتی کا دل ہی دل میں قائل کرکے کسی اور عالم میں پہنچا کر معرفت الٰہی کا سبق پڑھاتے ہیں۔ اور انھیں پہاڑوں کی تاریک کھوؤں کی خوفناک تنہائی میں نفس امارہ کا ستایا ہوا انسان گوشہ گزیں ہو کر عبادت و ریاضت کی بدولت قید جسمانی سے آزاد ہو کر کسی اور ہستی کو بسر کرتا ہے۔ یہی پہاڑ

ہیں جو ہزارہا سال سے بیش بہا جواہرات کو جگر گوشوں کی طرح سینوں میں چھپائے ہوئے
چلے آتے ہیں اور سخت مقابلہ سے انسان کی بہترین کوششوں کی بھی بمشکل ان تک رسائی
ہونے دیتے ہیں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھرے ہوئے سنگریزے ایسے ایسے
سمندروں اور دور دراز طوفانوں کو یاد دلاتے ہیں جن کے مقابلہ میں گویا طوفان
نوح کل ہوا ہے۔ غرضکہ پہاڑ زمانہ قدیم کی جہانتک کہ مورخوں کا ذہن بھی رسائی نہیں
کرسکتا زندہ تاریخ اور انسان کے لیے مایۂ دولت و عبرت ہیں اونچے اونچے پہاڑ سرسبز
درختوں سے جو دراصل ان کا زیور ہیں بھرے پڑے ہیں۔ ان کا سطحی حصہ کوسوں
تک انسان و حیوان کی سکونت و پرورش کے لئے پھیلتا ہوا چلا گیا ہے ان پہاڑوں کی
چڑھاؤ اور اتار پر ایسے ایسے دلفریب سماں سامنے آجاتے ہیں جو بھولے سے
بھی نہیں بھلائے جاسکتے گویا نشیب و فراز ہستی کا سبق مصر کے لے یہاں
تمام ہوتا ہے۔ کوسوں تک جدھر نظر جاتی ہے شیشم اور دیگر اقسام کے خودرو درختوں
کی تروتازگی کحل الجواہر کا کام کرتی ہے۔ اگر ذرا گردن جھکا کر دیکھا جائے تو تحت الثریٰ
کا پتا لگانیوالے غار نظر آتے ہیں جس کے دونو طرف پہاڑ ہیں۔ چونکہ یہ غار بالکل
عمودی ہوتے ہیں اس لئے نظر کانپتی تھرتھراتی نیچے اترتی ہے مگر غار کے سطح
پر پہونچکر جو سماں سامنے آتا ہے وہ تمام خوف اور زحمت کا کافی بلکہ کافی سے
بھی زیادہ معاوضہ ہو جاتا ہے۔ خوف زدہ نگاہ سطح تحتانی پر پہونچکر ہر طرف
گھنے درخت دیکھتی ہے جن کے گھنگھور پتوں کی سیاہی مائل سبزی دل پر ایک

خاص اثر پیدا کرتی ہے اور درختوں کے بیچ میں پتوں کی سبز نقاب منہ پر ڈالے ہوئے ناہموار پہاڑی سطح پر ایک بلورین چشمہ بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں پتے زیادہ گھنے نہیں ہیں یا درختوں کی شاخیں آپس میں گلے ملتی ہیں۔ یا ہوا کے جھونکے نقاب کو ذرا چہرہ سے ہٹا دیتے ہیں چشمہ کے شفاف پانی کی جھلک انسان کی اپنی ہستی کو بھلا کر کسی اور ہستی کو یاد دلاتی ہے غور سے دیکھتے ہیں تو پانی میں کبھی گنبد نما عمارت کا عکس پیچ و تاب کھاتا ہوا نظر آتا ہے اور جب سایہ سے اصل کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے تو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے گھنے پتوں کی گہری سبزی سے کوئی سفید سفید چیز جس نے منظر کو اور بھی دلربا بنا دیا ہے جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جس مقام پر غار بصورت زاویہ ختم ہوتا ہے۔ وہاں کچھ اور ہی کیفیت ہے ہر طرف سے چھوٹے چھوٹے چشمے بہتے چلے آتے ہیں اور غار کے قریب پہونچکر انکا منتشر پانی ایک تیز پہاڑی چشمہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جو شور مچاتا ہوا اچھلتا کودتا مچلتا کنارہ تک پہونچتا ہے اور وہاں اپنی سطح کو جس کی تلاش میں اس قدر سرگردان و پریشان ہونا پڑا ہے نہ پاکر بیقرار ہو جاتا ہے۔ اور اسی کرب و اضطرار کے عالم میں ایک چھلانگ ایسی مارتا ہے کہ منہ کے بھل گرتا ہے اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا ایک دریا ہوا میں معلق لٹک رہا ہے یہ تماشا دیکھ کر انسان اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اس کا بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ذرا نیچے اتر کر اس بہار جانفزا کا لطف اور بھی اچھی طرح اٹھائیں مگر دل بٹھا دینے والی گہرائی اور دونوں طرف کی

اونچے اونچے پہاڑوں کی دیواریں اس کے پاؤں پکڑ لیتی ہیں بعض بعض مقام پر پہاڑ کی بلند کرسی پر چھوٹا سا مٹھ بنا ہوا نظر آتا ہے جو کسی فطرت پرست رشی نے اس ہوش ربا مقام سے جہاں ہر شئے صانع حقیقی کی لاجواب صنعت کا پتہ دے رہی ہے۔ اطمینان قلب سے صحیفہ فطرت کی ورق گردانی میں مصروف ہو کر رازِ ہستی کے حل کرنے کی نیت سے بنایا ہے۔ غرض ان پہاڑوں کا نظارہ اس قدر دلفریب ہے کہ انسان گھنٹوں عالم محویت میں نظر جمائے کھڑا رہنے کا آرزومند رہتا ہے۔ (۵) بجے شام کے ہم منارا جنگشن پر پہونچے ڈبے سائڈنگ میں لگائے گئے۔ شب کو خوب بارش ہوئی۔

۱۲ محرم ۱۳۴۳ھ آشنبہ ۱۴ اگست ۱۹۲۴ء ۱۷ امرداد ۱۳۳۳ف	چار بجے صبح کے ہمارے ڈبے ڈھونڈ جانے والے ٹرین میں اٹاچ کئے گئے ہمراہی بھی سب سوار ہوئے اور ہم سب وہاں سے روانہ ہو کر ۶ بجکر ۱۰ منٹ پر چتلی اسٹیشن پر

پہونچے۔ ع راہ سیدھی تھی مگر ہو پیچ پڑے چلکر سے ہم

یہاں آکر بجائے اسکے کہ اپاسنی مہاراج کے درشنوں سے شادکامی حاصل کرتا اشتیاق کی آگ ٹھنڈی ہوتی۔ حضرت کی زیارت سے اپنی دیرینہ حسرت پوری ہوتی قدمبوسی کا پروان چڑھاتا بعض وجوہ سے طبیعت مکدر اور برہم ہو گئی۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ غیار صاحب نے مجھے اطلاع دی تھی کہ دو موٹروں کا اسٹیشن چتلی سے ساکوری تک پہونچنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایک لاری موٹر

پرسوں ہی ٹوٹ گئی دوسری فورڈ موٹر موجود ہے اور وہ بھی ایسی خستہ حالت میں کہ چل سکے پر تر سے شکستہ اور رنگ روغن کے منہ پر ہوائیاں اڑتی تھیں ۔ ابھی میں اس کے متعلق کوئی حکم نہ دینے پایا تھا کہ معلوم یہ ہوا اغیار صاحب موٹر میں بیٹھ کر موٹر لانیکے لئے بیلا پور چلے گئے ۔ اتفاق وقت سے وہ لاری موٹر جسکے لانیکے لئے وہ گئے تھے آج ہی صبح کو وہ بھی ٹوٹ گئی تھی بے نیل رام ۸ میل کا چکر لگا کر واپس آئے موٹر نہ ملی ہیں کہیں نہ جا سکا جب آئے اور میں اسپر سوار ہونے لگا تو شوفر کو مرہم پٹی کرتا ہوا دیکھا گیا میں اس پر سوار ہو کر اتر پڑا اور منظہر علیخاں مددگار منتظم انگریزی کو احمد نگر جا کر ایک لاری اور ایک فورڈ موٹر لانے کے لئے بھیجا ۔ میں کچھ دیر پلیٹ فارم پر ٹہلتا رہا کیمرہ لیکر دو ایک فوٹو لئے آج بھی لب دریا پہونچکر تشنہ کام تمنا ہی رہا یعنی اپاسنی مہاراج کی قدمبوسی سے محروم رہا ہمارے ڈبے سائڈنگ میں ہیں اور ہمراہی اسٹیشن پر ۔

۲۲ محرم سنہ ۱۳۴۳ یکشنبہ
۲۴ اگست سنہ ۱۳۲۴ ف
۱۸ مہر سنہ ۱۳۳۳ ف

شب کو پانچ بیل گاڑیاں تیار رہنے کے لئے حکم دیا تھا تقریباً ۸ بجے صبح کے میں باہر آیا اور معہ برخورداران سلمہم اللہ تعالی و میر سلیمان علیخان اور اقبال چند کے بیل گاڑیوں میں بیٹھ کر ساکوری کو روانہ ہوا ۔ راستہ کی ناہمواری اس پر بنڈی کی سواری گیارہ میل بہزار خرابی و دشواری بارہ بجے ساکوری پہونچا ۔

راجہ نرسنگراج بہادر خلف اکبر بنسی لال راجہ سے جو دو مہینے سے یہاں مقیم ہیں ملاقات کی اور انکی معیت میں مہاراج بابا کی زیارت سے مشرف ہوا ۔ قریب چار بجے

کے موٹر میں سوار ہو کر اسٹیشن کو واپس ہوا ۵ بجے کے قریب پہونچا مظہر علیخان احمد نگر
سے ایک ٹکسی لیکر آ رہے تھے راستہ میں ملے اسٹیشن پر واپس آنے کا اشارہ سے حکم
دیا بیل گاڑی میں سوار ہونے سے جو تکان ہوئی نا قابل بیان ہے بارہ بجے
شب کے ٹرین سے نواب لائق علیخان (داماد) بلدہ سے آئے ۔

۲۲ محرم ۱۳۴۳ھ | شب کو چند بنڈیاں صبح کو اسٹیشن پر حاضر رکھنے کے لیے حکم دیا
۲۵ اگست ۱۹۲۴ء | گیا تھا۔ بنڈیاں حاضر تہیں میرا اور محلات کا سامان بار کیا گیا
۱۹ مہر ۱۳۳۳ف | اور میں معہ فیملی اور بچوں کے ۱۱ بجے لاری موٹر میں ساکوری
کو قیام کرنے کی غرض سے روانہ ہوا دوسری موٹر میں تینوں داماد اور بچے تھے
سامان پہلے روانہ کیا جا چکا تھا ۔

اسٹیشن چتلی سے ساکوری گیارہ میل ہے سڑک پختہ ہے راستہ میں دو تین نالے
پڑتے ہیں ان نالوں کے پل اگرچہ سنگی ہیں مگر نشیب میں سطح آب سے ملے ہوئے
ہیں جس کی وجہ سے دونوں طرف برسات میں اس قدر کیچڑ ہو جاتی ہے کہ موٹر
تانگہ اور بیل گاڑی بہزار دقت و دشواری نالوں کو عبور کرتی ہے پل کے نشیب
میں ہونے سے تا کمر اور بعض اوقات اس سے زیادہ پانی پل پر جاتا ہے جس سے
آنے جانے والوں خصوصاً موٹر وغیرہ کے عبور کرنے میں نا قابل بیان مشکلات
کا سامنا ہوتا ہے ۔ زیادہ بارش ہونے سے تو راستہ بند ہی ہو جاتا ہے۔ اگر یہی پل
سڑک کی برابر بنایا جاتا تو یہ دشواریاں نہ ہوتیں ۔

راہتا ایک گاؤں ہے جو ساکوری سے قریب ایک میل کے ہے یہاں ٹپہ خانہ اور تھانہ بھی ہے ۔ گاؤں بڑا ہے بعض خاندان یہاں دولتمند ہیں ۔ راہتہ اور ساکوری کے درمیان ایک ندی ہے جس کا پاٹ قریب ایک فرلانگ کے ہے ۔ برسات کے موسم میں ساکوری اور راہتہ کے درمیان حد فاصل ہو جاتی ہے اس پر کوئی پل نہیں ہے ۔

قریب ایک بجے کے ہماری موٹریں ساکوری پہونچیں احمد نگر سے آئے ہوئے خیموں سے ایک خیمہ میرے لئے پہلے سے نصب کیا گیا تھا زنانہ کو بنگلے پر اتار کر پردہ کا معقول انتظام کیا گیا ۔ دوسرے خیمہ میں ڈاکٹر خانہ اور توشکخانہ وغیرہ تھا ۔ میں قریب ۲ ½ بجے کے ست گرو کی آرتی میں معہ بچوں کے شریک ہوا شام کے (۷ بجے) زنانہ مہاراج کے درشن کو گیا ۔ آج میں چالیس برس کے بعد قومی لباس میں نظر آتا ہوں نیچے بھی تہ بند جس کو ہنود دھوتی کہتے ہیں پہنتے ہیں ۔

۲۴ محرم سنہ ۱۳۴۳ھ
۲۶ اگست سنہ ۱۹۲۴ء
سہ شنبہ

بجز تین وقت آرتی میں جانے اور مہاراج کے درشن کرنے کے اور کوئی کام نہیں ہے ۔ آج سہ پہر کو غبار صاحب اور سید عبدالحسین بھی اسٹیشن سے آگئے ۔ ابھی اسٹیشن پر سائڈنگ میں ڈبے موجود ہیں ۔ جن میں والدہ میر سلیمان علیخاں (داماد) معہ چند ماماؤں کے موجود ہیں راجہ پلٹن کا پہرہ اور چند ملازمین بھی وہاں ہیں ۔

۲۵ محرم سنہ ۱۳۴۳ھ
۲۷ اگست سنہ ۱۹۲۴ء

آج بھی بجز آرتی میں شریک ہونے کے کوئی کام نہیں کیا ۔

دامن راؤ مہتمم کارخانہ جات بلدہ سے رقم لیکر آئے ہیں ۔

۲۶ محرم سنہ ۱۳۴۳ھ / ۲۸ اگست سنہ ۲۴ء — آج صبح کے پانچ بجے مہاراج کے درشن کو گیا راجہ نرسنگراج میرے ہمراہ تھے ۔ میں نے مہاراج سے خواہش کی کہ اگر آپ پانچ منٹ کے لئے باہر تشریف لائیں تو میں آپ کا فوٹو لوں چونکہ فقیر کے حال پر مہاراج کی بیحد مہربانی ہے میری خواہش پر مہاراج باہر تشریف لائے برخوردار ارجن کمار عرف خواجہ پرشاد سلمہ نے مہاراج کے پاؤں دبائے اور میں نے کیمرہ سے چار فوٹو دو تین حالتوں کے لئے لیئے جس حالت میں وہ ٹاٹ لپیٹے ہوئے تھے اور ایک حالت ساری بندھوا کر مہاراج نے فرمایا کہ بس تمہاری آرزو پوری ہوئی ۔ برخوردار مذکور کو ایک ساقہ بطور تبرک عطا فرما کر ہدایت کی کہ اپنے پاس رکھو جب خراب ہو جائے تو کسی غریب کو دیدینا ۔ عرض کیا گیا کہ یہ مہاراج کا پرشاد ہے اس کو حرز جان بنا کر رکھا جائیگا ۲ گھنٹے کے بعد میں واپس ہوا ۔

واپسی پر راجہ بلبن کے نائک نے جو اسٹیشن پر مقیم تھا کچھ سامان پیش کر کے رپورٹ کی کہ شب کو زنانہ ڈبہ میں چوری ہوئی ۔ چاندی کا پاندان معہ اس کے نقرئی سامان کے اور کچھ متفرق سامان چوری ہوا ۔ کئی چور تھے جن میں سے ایک چور کو معہ ایک عورت کے گرفتار کر لیا گیا ہے ۔ اور اسٹیشن پر پہرہ میں بٹھا دیا گیا ہے ۔ چاندی کا پاندان نہیں ملا کپڑوں کی گٹھڑی کچھ دور ملی ۔ میں نے اسی وقت اقبال چند کو جو سرکار عالی کے محکمہ پولیس کے مہتمم بھی ہیں کہا کہ تم موقع واردات پر جاؤ وہ معہ لائق عہدہ داران اور

خواجہ نصراللہ و خواجہ اسداللہ سلمہم اللہ تعالی وہاں گئے اسٹیشن ماسٹر چتلی نے احمد نگر کی ریلوے پولیس کو ذریعہ تار اطلاع دیکر پولیس کے جوانوں کو بلوایا۔ بنجامہ ہوا ۴ بجے دولھا راجہ واپس ہوئے۔ ۵½ بجے میں اپنے خیمہ سے باہر آیا راجہ نرسنگراج آگئے ان سے دیر تک باتیں کرتا رہا چھ بجے یہ رائے قرار پائی اور مناسب بھی یہی سمجھا گیا کہ میں معہ فیملی اسٹیشن چتلی پر رہوں اور آرتی میں شریک ہونے کے لئے روز یہاں آیا کروں۔ اس خیال سے حکم دیا کہ زنانہ کا سامان لاری موٹر میں اسٹیشن پر بھیجدیا جائے چنانچہ قریب ۷ بجے کے سامان روانہ کر دیا گیا۔

۲۷ محرم ۱۳۴۳ھ
۲۹ اگسٹ ۱۹۲۴ء
جمعہ

آج میں بہت سویرے بیدار ہوا حوائج ضروری سے فراغت کر کے ۸ بجے معہ زنانہ کے اسٹیشن چتلی کو روانہ ہوا۔ ابر محیط آسمان ہے جھڑی لگی ہوئی ہے اسٹیشن پر پہونچکر سامان لانے کے لئے موٹر کو واپس کیا دوسری لاری موٹر میں سامان اور آدمی سوار ہوکر اسٹیشن کو روانہ ہوئے مگر ندی پار نہ ہوسکے موٹر نے جواب دیدیا جوڑ جاڑ کر پھر چلنے کے قابل بنایا ۳ میل پہونچکر پھر رک گئی آخر احمد نگر سے آئی ہوئی موٹر پر اس موٹر کا سامان منگایا گیا۔ سامان آگیا۔ میں ایک بجے معہ برخوردار خواجہ پرشاد و خواجہ عظمت اللہ سلمہا آرتی میں شریک ہونے کے لئے ۲½ بجے ساکوری پہونچا۔ تھوڑی دیر خیمہ میں بیٹھا آرتی شروع ہونے کے وقت بچوں کو لیکر آرتی میں شریک ہوا۔ راجہ نرسنگراج کے استصواب سے الیشونت راؤ کار پرداز کی معرفت پرشاد یعنی (تبرک) جو میدے اور

شکر سے بنتا ہے تیار کرایا تھا آرتی ہو جانے کے بعد مہاراج بابا نے اپنے ہاتھ سے سب کو تقسیم کیا ساکوری کے رہنے والے عورت مرد بچے بوڑھے سب کو ملا وہاں سے فارغ ہوکر خیمہ میں آیا تھوڑی دیر سو گیا ساڑھے تین بجے بیدار ہوا منہ ہاتھ دھوکر نرسنگراج کے ساتھ بچوں کو لیکر مہاراج کے درشن کو گیا۔ دو تین گھنٹے وہاں حاضری دیکر معہ بقیہ سامان کے موٹر میں سوار ہوکر اسٹیشن چتلی کو روانہ ہوا۔ جھڑی لگی ہوئی ہے نالوں میں پانی بھرا ہوا ہے ندی حد فاصل ہوچکی ہے۔ تمام شب بارش ہوا کی غبار صاحب عبدالحسین صاحب اور جگناتھ پرشاد وغیرہ پندرہ میں آدمی ابھی ساکوری میں ہیں۔

۲۸ محرم ۱۳۴۳ھ
۳۰ اگست ۱۹۲۴ء
۲۸ مہر ۱۳۳۳ف

فقیر معہ فیا ملی اور بچوں کے اسٹیشن پر ہے ۹ بجے حکم دیا کہ ہرکارہ موٹر لیجا کر بقیہ سامان اور منتظم اور جگناتھ پرشاد وغیرہ کو لیکر آئے وہ گیا اور بارہ بجے سامان اور آدمیوں کو لیکر آیا۔ آج بھی پرشاد تیار کرایا گیا ہے میں ایک بجے کے قریب بچوں کو لیکر آرتی میں شریک ہونے کیلئے ساکوری آیا۔ دولھا راجہ اور دولھا نواب میر سلیمان علیخان اور نیز دیگر ملازم میرے ساتھ تھے۔ غبار صاحب اور نرسنگراج سے ملکر آرتی میں شریک ہوا ساڑھے تین بجے آرتی سے فارغ ہوکر خیمہ میں آیا۔ ۶ بجے مہاراج بابا کے دربار میں حاضری دی قریب ساڑھے سات بجے کے واپس ہوکر بچوں۔ داماد وں اور ملازمین کو لیکر اسٹیشن پر آیا۔

۲۹ محرم ۱۳۴۳ھ
۳۰ اگست ۱۹۲۴ء
۲۵ مہر ۱۳۳۳ف

فراشخانہ کا سامان جو باقی تھا غبار صاحب نے بنڈیوں میں بار کرا کے اسٹیشن پر روانہ کر دیا اور خود خیموں کے لئے جو ابھی تک ایستادہ ہیں ٹھہر گئے۔ میں ۲ بجے آرتی میں شریک ہونے کیلئے پھر آیا ہوں۔ اقبالچند۔ میر سلیمان علیخان۔ خواجہ بابا۔ خواجہ نصر اللہ خواجہ اسد اللہ اور خواجہ عظمت اللہ طولعمرہم اور دو تین ملازمین ساتھ ہیں۔ کچھ دیر تک غبار صاحب سے باتیں کرتا رہا۔ ساڑھے ۶ بجے مہاراج کے دربار میں آخری ملاقات کو گیا۔ ۸ بجے برخاست کر کے خدا حافظ کہکر روانہ ہو کر مع الخیر اسٹیشن پر آیا۔

یکم صفر ۱۳۴۳ھ
یکم اگست ۱۹۲۴ء
۲۶ مہر ۱۳۳۳ف

غبار صاحب نے احمد نگر جانے اور خیمہ پہونچا کر منماڑ میں مل جانے کی اجازت لی تھی فقیر آج یہاں سے روانہ ہونے والا ہے منتظم انگریزی کو حکم دیا گیا کہ منماڑ کو (۱۰) بجے جانے والی ٹرین میں ہمارے ڈبے لگائے جائیں۔ ہمراہیوں نے سامان جمع کر کے باندھنا شروع کیا۔ ساڑھے دس بجے ٹرین آئی اور ہم معہ تمام ہمراہیوں کے منماڑ کو روانہ ہوئے قریب ایک بجے کے ہم منماڑ پہونچے ڈبے سائڈنگ میں پہونچائے گئے پانچ گھنٹے کے بعد اٹارسی کو جانے والی ٹرین میں ہمارے ڈبے لگائے گئے۔

۲ صفر ۱۳۴۳ھ
۲ اگست ۱۹۲۴ء
۲۷ مہر ۱۳۳۳ف

تمام شب کی مسافت کے بعد ساڑھے (۹) بجے صبح کے اٹارسی پہونچے غبار صاحب کا انتظار کیا گیا۔ ابھی تک وہ نہیں آئے ہیں۔ تمام دن رہ کر ساڑھے سات بجے شام

کے اٹارسی سے روانہ ہوکر دن بجکر ۱۵ منٹ پر جھانسی پہونچے

۳ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ ۱۳ اگست سنہ ۱۹۲۴ء ۲۸ مہر سنہ ۱۳۳۳ ف	شام تک ہم جھانسی کے اسٹیشن پر رہے شب کے ۲ بجے روانہ ہوکر صبح کے ۹ بجے آگرہ کنٹونمنٹ پہونچے۔
۴ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ ۱۴ اگست سنہ ۱۹۲۴ء ۲۹ مہر سنہ ۱۳۳۳ ف	آج میرا ارادہ ہے کہ تمام دن یہاں قیام کرکے یہاں کے مشہور اور تاریخی مقامات دیکھوں۔ اگرچہ ربیع ۲ سنہ ۱۳۳۳ھ مطابق فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں تفصیلی نظر سے ان مقامات کو دیکھ چکا ہوں،

جن کے حالات فقیر کے روزنامچہ سیر و سفر میں بالتفصیل درج ہیں۔ لیکن یہ مقامات ایسے نہیں ہیں۔ جو ایک دفعہ کے دیکھنے سے طبیعت کو سیری اور نظر کو سکون ہو اس خیال سے موٹریں منگا کر فیملی اور بچوں کو لیکر پہلے تاج بی بی کے روضے پر گیا۔

ریلوے اسٹیشن سے مغرب کی طرف ۵ میل کے فاصلے پر تاج بی بی کا روضہ دریائے جمنا کے کنارے دنیا بھر کے سیاحوں کی خاص دلچسپی اور آگرہ کی شہرت کا باعث ہے یہ روضہ شاہ جہاں بادشاہ نے اپنی چاہتی بی بی ممتاز محل کی یادگار میں سنہ ۱۶۳۱ء میں اس ارادہ سے شروع کیا تھا کہ اس بے نظیر مقبرہ کا دنیا میں مثل نہ نکلے۔ کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا ہے جس میں مزدوری کا حساب نہیں۔ ایک فرانسیسی جوہری سیاح جو سنہ ۱۶۴۵ء میں ہندوستان میں آیا تھا لکھتا ہے کہ "ہر روز بیس ہزار مزدور بائیس برس تک اس روضے میں کام کرتے رہے اگر اس رقم کا تگنا بھی کر دیں تو اس

خرچ سے یورپ میں ایسی عمارت کا بنانا محالات سے ہے تمام دنیا کی کتابوں کے الفاظ کا سرمایہ اس کی خوبی و خوشنمائی دکھلانے کے لئے کافی نہیں ہے یہ روضہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اور ایک بہت اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر قائم ہے جس کی بلندی تقریباً ساڑھے پانچ گز ہے۔ اور جس کا ہر ایک ضلع تقریباً ایک سو دس گز ہے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر چار مینار ہیں جن پر سے شہر اور اس کے ارد گرد کا منظر بہت دور تک دکھائی دیتا ہے۔ مقبرہ پر بہت شاندار عمدہ گنبد ہے جس کے نیچے تاج محل اور شاہجہاں کی قبریں ہیں ان قبروں کے چاروں طرف سنگ مرمر کی نہایت خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں عمارت کے اندر باہر اعلیٰ درجہ کے بیل بوٹوں اور مختلف اقسام کے نقش و نگار کے سوا پچی کاری کا جو حیرت انگیز کام ہوا ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی عمارت میں نہیں ملتی۔ مبصرین فن تعمیر کی رائے ہے کہ اس دلفریب عمارت کے بنانے والوں نے معماری کے متعلق وہ کام دکھایا ہے جو زیورات پر باریک نقش و نگار کرنے والے استاد کیا کرتے ہیں۔ اس عمارت کی خوبیوں نے اس ترقی کے زمانہ میں بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار انجنیروں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ مقبرہ کا ایک ضلع جمنا سے ملا ہوا ہے اور دریا کی موجیں اس کی پا بوسی کرتی رہتی ہیں۔ تین جانب کو باغ ہے جن کی غیر معمولی تر و تازگی ایک عجیب لطف دیتی ہے ان باغوں کے گرد ایک کنگورہ دار فصیل ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے ایک بڑا دروازہ ایرانی

طرز کا بنا ہوا ہے تاج محل کی اندرونی پیمائش حیرت انگیز ہے۔ گنبد کی چوٹی زمین سے تقریباً ستاسی گز بلند ہے۔ اس گنبد میں چار دروازہ ہیں جس میں سے ہر ایک تقریباً اکیس اکیس گز اونچا ہے۔ گنبد کے وسط میں شاہ جہاں کی بی بی ممتاز محل اور خود اس کی قبر ہے ساری عمارت سفید جلا کئے ہوئے پتھر کی بنی ہوئی ہے جس وقت اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے اور نظر نہیں ٹھہرتی۔ اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لئے کچھ چاندنی کی روشنی موزوں ہے۔ سنگ مرمر کی کندہ کی ہوئی سلیں جن میں ایک بے نظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی پنکھڑیاں عربی اور ایرانی طرز کی گل کاریاں بنی ہوئی ہیں پتلے پتلے ستون۔ پر تکلف چوکھٹے۔ غلام گردشین جن میں روشنی کے لئے جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ خالص سنگ مرمر کی باریک جالیاں مختلف قیمتی پتھروں کی شوخ رنگ پچی کاری سنگ مرمر کے کتبے غرض جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھا وہ یہاں افراط کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے۔ اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں نہیں ہے دونوں قبریں سفید سنگ مرمر کی ہیں اور ان میں کتبے اور پھول بوٹے جو ان کے اوپر سے نیچے تک ہیں نہایت ہی خوبصورت ہیں ہر ایک پھول میں سو سے زیادہ مختلف رنگوں کے جلا کئے ہوئے پتھر جڑے ہوئے ہیں جس کے میل سے وہ پھول پیدا ہوتا ہے۔ جس کے دکھانے کا ارادہ کیا گیا ہے ان بیش بہا پتھروں میں سنگ زنگار۔ سنگ لیشب۔ عقیق۔ زبرجد۔ سرخ

اور مختلف قسم کے بلور۔ سنگ سماق اور زرد طلائی سنگ مرمر کا جا بجا مستعمل ہوا ہے
ہشت پہل کے اضلاع اور ان میں جو محرابیں بنی ہوئی ہیں ان کے نیچے کی طرف
سفید ترشی ہوئی سنگ مرمر کی سلیں جو تقریباً ڈیڑھ گز اونچی ہیں نصب کی ہوئی
ہیں۔ اور ان کے گرد پچے کاری کے بوٹے ہیں۔ سلوں پر انواع واقسام کے
پھول بنے ہوئے ہیں اور چوکھٹوں میں گلدان جن میں منبت کار پھول رکھے
ہوئے ہیں اسی قسم کی کھدی ہوئی سلیں دروازوں کی محرابوں میں بھی نصب
ہیں اور ان دروازوں پر باہر کی طرف آیات قرآنی سنگ موسی سے لکھی ہوئی ہیں
یہاں سے روانہ ہو کر اعتماد الدولہ کا مقبرہ دیکھتے ہوئے ہم سکندرہ گئے جہاں
اکبر شہنشاہ دہلی کا مقبرہ ہے یہ مقبرہ آگرہ سے پانچ میل متھرا کی سڑک پر ایک باغ
کے وسط میں بنایا گیا ہے۔ باغ کی چار دیواری کے کونوں پر چار مینار بنے ہوئے
ہیں۔ شہنشاہ اکبر کی اصلی قبر تو نیچے کے تہ خانہ میں ہے مگر اس پر دو منزلہ عمارت
بنا کر قبر کا تعویذ چھت کی بلندی پر بنایا گیا ہے جو آسمان کے سائبان کے نیچے
شان ایزدی دکھا رہا ہے۔ مقبرہ کی عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر اور
سنگ موسی کی ہے اس میں مسلمانوں کی طرز تعمیر اور ہندوؤں کی قدیم طرز عمارت کا
نہایت خوبی سے پیوند لگایا گیا ہے۔ اس کی تعمیر کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۶۰۵ء ہے
یہ مقبرہ اکبر کی زندگی ہی میں شروع ہوا تھا مگر اس کا اختتام شاہ جہاں کے وقت
میں ہوا۔ یہ مقامات دیکھ کر اسٹیشن پر آیا۔

۵ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۵ اگست سنہ ۱۹۲۴ء
۴ آبان سنہ ۱۳۳۳ف

شب کے ۸ بجے آگرہ کنٹونمنٹ سے روانہ ہو کر دس بجے ہم مع الخیر متھرا جنکشن پر پہونچے۔ کلکی رام چوبہ جو ہمارے خاندان کا پروہت ہے حاضر ہوا۔ ڈبے سائڈنگ میں کھڑے کئے گئے۔

۶ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۶ اگست سنہ ۱۹۲۴ء
یکم آبان سنہ ۱۳۳۴ف

موٹر منگوا کر شہر متھرا کے دیکھنے کو گیا۔
بچے اور داماد دولھا راجہ ساتھ تھے۔

متھرا

یہ شہر جمنا کے کنارے آباد ہے اور ہندوستان کے قدیم مشہور معبدوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سری کرشن جی جو ہندو مذہب کے بڑے ولی اللہ اور اوتار (مظہر حق) ہیں اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ اس شہر کو مہاراجہ رامچندر جی کے زمانہ میں مدھوبن بھی کہتے تھے۔ اس لئے کہ راجہ مدھو چندربنسی نسل کا حکمراں تھا۔

چار یا پانچ ہزار سال پہلے یہ مقدس زمین بوسہ گاہ عالم تھی اور اب بھی ہے مہاراج سری کرشن کے فیض قدم سے ہر ہندو کا ہی یہ قول نہیں بلکہ جو اللہ والے ہیں اور جن کی چشم بصیرت نے کفر و اسلام کو زلف و روئے یار سے تشبیہ دی ہے وہ بھی سمجھتے اور یہی کہتے آئے ہیں اور کہتے ہیں اور کہے جائیں گے۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

حضرت مسیح سے چار سو برس پیشتر یہ شہر پیروان بدھ مذہب کا مرکز تھا ان کی

بیس خانقاہیں یہاں ایسی تھیں جن میں بدھ مذہب کے تقریباً بائیس ہزار منی اور رشی رہا کرتے تھے چنانچہ ان کی بعض یادگاریں اب تک متھرا کے گرد و نواح میں موجود ہیں۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے متھرا کا ذکر محمود غزنوی کے حملات میں ملتا ہے۔ تاریخی حیثیت سے شہر متھرا سومناتھ کے بعد تمول میں ممتاز تسلیم کیا جاتا تھا۔ یوں تو تمام ہندوستان باعتبار تمول و دولت کے مالا مال تھا۔ ان عمارات سے جو اس وقت تک باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مورخین کے بیان میں مبالغہ نہیں ہے۔ اس تمول کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دیسی راجاؤں میں جب باہمی لڑائیاں ہوتیں تو ان کا اثر اسی قدر ہوتا تھا کہ دولت ایک حکومت سے دوسری حکومت میں چلی جاتی تھی لیکن ملک کے اندر رہتی تھی برخلاف اس زمانہ کے کہ ملک کی ہر قسم کی پیداوار باہر جا رہی ہے۔

سنہ ۱۰۲۴ء میں سومناتھ میں محمود نے ایک حیرت انگیز عمارت دیکھی جس کے ۵۶ ستونوں پر سونے کے موٹے موٹے پتر جڑے ہوئے تھے اور ان کے بیچ میں جواہرات تھے مقام پرستش کے گرد ہزار ہا سونے اور چاندی کے بت تھے اور مندر کے وسط میں ایک عظیم الشان بت تھا جس کے جسم پر بے انتہا جواہرات جڑے ہوئے تھے اس مندر کے عملے میں دو ہزار برہمن پانسو ناچنے والیاں اور تین سو باجہ بجانیوالے تھے۔ سومناتھ کی لوٹ سے دولت جو محمود غزنوی کو ہاتھ لگی اس کا اندازہ پندرہ کروڑ کا ہے جو اس زمانہ کے لیے بہت ہی بڑی رقم ہے

متھرا کا تمول بھی اس سے کچھ کم نہ تھا چنانچہ جس وقت محمود متھرا میں داخل ہوا اس شہر کی شان و شوکت کو دیکھ کر حیرت میں آگیا وہ لکھتا ہے کہ :-

اُس عجیب و غریب شہر میں ایک ہزار سے زیادہ عمارتیں سنگ مرمر کی ہیں جو نہایت مضبوط ہیں اگر ان عمارات کی لاگت کا اندازہ کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کی تعمیر میں کئی کروڑ دینار صرف ہوئے ہیں اس کے ساتھ ہی ایسا شہر دوسو سال سے کم میں تیار نہیں ہوسکتا - مجھے یہاں طلائی خالص کے پانچ بت ملے جن کی آنکھیں پچاس ہزار کی قیمت کے لعلوں سے بنی ہوئی تھیں - ایک دوسرے بت کے جسم پر نیلم تھا جس کا وزن چار سو مثقال تھا اور خود بت اٹھانوے مثقال طلائی خالص سے بنا ہوا تھا دس بارہ چاندی کے بت بھی تھے جو اسی قدر اونٹوں کے بار تھے" آج وہی متھرا ہے جس کی حالت بتا رہی ہے کہ وہ اپنی حالت کا نوحہ خوان ہے نہ اس کی پہلی سی رونق ہے نہ عمارت کی شان و شوکت اس وقت کی آبادی ستر ہزار کے قریب ہے جس میں ہندو بکثرت اور مسلمان بہت تھوڑے ہیں ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

آثار پدید است صنادید عجم را

تفصیلی واقعات - مندروں اور عمارتوں کی حالت فقیر کے روزنامچہ سیر و سفر میں درج ہے -

۷ صفر ۱۳۴۳ھ
۷ ستمبر ۱۹۲۴ء
۱۲ آبان ۱۳۳۴ ف

آج فقیر معہ فیاملی موٹر میں بندرابن کو گیا - بارش کا سلسلہ جاری ہے - یہ قصبہ متھرا سے چھ میل کے فاصلے پر جمنا کے کنارے آباد ہے - قدیم زمانہ میں متھرا اور بندرابن کی آبادی ایک تھی زمانہ کی تفرقہ پرداز رفتار نے تفرقہ ڈالدیا - اس مقام میں سری کرشن جی گوپیوں کے ساتھ راس کیا کرتے تھے - ایک مرتبہ گوپیوں کے کپڑے اٹھا کر جس درخت پر آپ چڑھ گئے تھے اس کے آثار اب تک باقی ہیں اس قصبے کو جو تقدس ہے وہ سری کرشن جی کے قدموں کی برکت باعث سے ہے ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

افسوس ہے کہ اس مقام کو نادان اور جہلا نے ایسے مقدس اور آشنائے بحر وحدت موحد عارف کی عیش گاہ مشہور کر دیا ہے - مقام عبرت ہے - اول تو یہ کہ جس سن میں سری کرشن جی یہاں گوپیوں کے ساتھ راس کیا کرتے تھے اس وقت ان کی عمر تخمیناً گیارہ یا رہ برس کی تھی جو سن بلوغ سے بھی کم ہے پس قبل از بلوغ ایک ایسی مقدس ذات کے لئے عیاشی کا دھبہ لگانا مقام عجب و عبرت ہے - ایسے سمجھنے والوں سے خدا سمجھے - متھرا سے بندرابن تک ریل بھی ہے - متھرا کی طرح بندرابن میں بھی بکثرت اور بعض نہایت شاندار مندر ہیں - قصبہ کا کوئی کوچہ کوئی محلہ ایسا نہ ہوگا جہاں ایک آدھ

مندر نہ ہو۔ سب سے بڑا مندر سڑک کے کنارے مہاراجہ جیپور کا بنایا ہوا ہے اس کی عمارت سنگ سرخ کی ہے اور کام نہایت نفیس ہے مگر اس وقت یہ مندر ویران پڑا ہے۔ سرکار کی طرف سے ایک چوکیدار اس کی حفاظت پر مامور ہے اس قصبہ میں سب سے بڑے چار مندر ہیں۔

(۱) سیٹھ لکھمی چند کا مندر۔ اس میں رنگنا تھ سوامی کی مورتی ہے۔ اس میں ایک بہت اونچی لاٹ بنی ہوئی ہے جو دور سے دکھائی دیتی ہے۔ اس میں سونے کا کام کیا ہوا ہے دروازے نہایت خوشنما اور شاندار ہیں۔ انتظام کے لئے ملازمین بڑی بڑی تنخواہوں کے ہیں۔ یکے بعد دیگرے پانچ دروازے ہیں ہر دروازے کے اندر اتنا وسیع صحن ہے کہ پانچ چھ ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں اندر جانے کے دروازے زنانی و مردانی کے علٰحدہ علٰحدہ ہیں مورتی کی جگہ کے خاص ستون طلائی ہیں۔

(۲) دوسرا مندر لالہ بابو کلکتہ والے کا ہے۔ اس میں کرشن چندر مان کی مورتی ہے۔ اس کی عمارت بھی قابل دید اور نہایت شاندار ہے۔ جی

(۳) تیسرا مندر شاہ بہاری لعل خزانچی کا ہے۔ اس میں سری دیوی رادھا مہارانی کی مورتی ہے۔ یہ عمارت خوشنما ہے اس میں ایک کمرہ بسنتی کمرہ کے نام سے مشہور ہے جس کو نہایت بیش قیمت شیشہ آلات و فرنیچر بسنتی رنگ سے سجایا گیا ہے۔ تکلف اس قدر ہے کہ ملازمین کا لباس بھی ٹوپی۔ لنگی۔ کرتے

اور قسملے بسنتی رنگ کے ہیں ۔

(۴) برہم چاری مہاراج کا مندر ہے اس میں ہنس گوپال للہ اہا پال کی مورتیں ہیں یہ بھی نہایت شاندار اور قابل دید مندر ہے ۔

چار مندر قدیم زمانہ کے بھی نہایت مشہور اور متبرک ہیں ۔

(۱) سیوا کنج ۔ اس میں بھگوان شب کو نواس کرتے ہیں ۔ پھولوں کی سیج آراستہ کی جاتی ہے ۔ رات کو کوئی پجاری تک وہاں نہیں ٹھہرتا ۔

(۲) کالی کا مندر ۔ یہاں راجہ کشن چندر نے کالی کو مارا ہے ۔

(۳) گھاٹ یہی وہ مقام ہے جہاں گوپیوں کے کپڑے لیکر سری کرشن جی درخت پر چڑھ گئے تھے یہ ایک گھاٹ کی صورت میں ہے وہ درخت موجود ہے مگر جمنا ہٹ گئی ہے ۔

(۴) نانکی بہاری یہ بھی قدیم مندر ہے ۔ ان کے علاوہ اور بھی مندر ہیں جنکی تعداد قریب پانچہزار کے ہے ۔ یہاں بھی بارہ گھاٹ ہیں ۔ یہاں سری کرشن نے گوئیں چرائی ہیں ۔ بندروں اور چوبوں کی تعداد یہاں بھی متھرا سے کم نہیں یہ وہ مقدس زمین ہے جہاں جسودا بائی کے پالک نورنظر لخت جگر نے کالی کملیا کاندھے پر ڈال کر گوئیں چراتے ہوئے توحید کی بانسری بجا بجا کر سب کے دلوں کو موہ لیا تھا ۔ یہ وہ سیتا پتی ہے جس نے ہندوستان کی آریہ بھومی کو اپنے قدموں سے عزت دی اور جس کی بدولت اس آریہ ورت کے ظالم ۔ فاسق ۔

عیاش اور ناخدا ترس تاجداروں کی بیخ و بن کو ہمیشہ کے لئے اکھاڑ کر پھینکدیا اور عدالت قایم کردی۔ اور جس نے ارجن جیسے کرشن بھگت کو عین جنگ میں معرفت کے وہ وہ نکات اور کثرت و وحدت کے کرشمے دکھا کر میدان رزم کو درس گاہ معرفت و جلوہ گاہ قدرت بنا دیا اور جنگی نقشوں کی اپنے وجود اور ارواح کے متقابل معرفت سے وہ وہ موشگافیاں کیں کہ ہر متنفس اس جنگ کو اپنی روحانی جنگ کا یعنے اپنے نفس و وجود اور ارواح کی جنگ سمجھ کر مرنے کو معراج اور مارنے والے کو نفس کش پہلوان سمجھتا تھا۔ غبار صاحب ناظم پیشی بھی احمد نگر سے اُتارسی۔ جہانسی آگرہ ہوتے ہوئے ایک بجے کی ٹرین میں متھرا پہونچے بندرابن کے چوبے گوکلیس بن شام لال بھگت ولد سیتا رام کے نام چار آنہ یومیہ برخوردار ارجن کمار خواجہ پرشاد سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کیا جا کر سند دیگئی شب کے گیارہ بجے متھرا سے روانہ ہو کر صبح کے ۷ ½ بجے ہم دہلی پہونچے۔

۸ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۸ ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء
۱۳ آبان سنہ ۱۳۳۳ف

ڈبے سائڈنگ میں ہیں۔ ہمراہی پلیٹ فارم پر مولوی سید عبدالرؤف صاحب آئے ہیں ان سے ملاقات کی گھنٹہ دیڑھ گھنٹہ کے بعد مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ان کے دونوں فرزند اور روح بانو سلمہم اللہ تعالیٰ تھے تقریباً گھنٹہ بھر تک حضرت خواجہ اور مولوی سید عبدالرؤف صاحب سے باتیں کرتا رہا۔

حضرت خواجہ اور مولوی صاحب کا اصرار ہے کہ فقیر کم از کم پانچ چھ دن دہلی میں قیام کرے۔ اور یہاں کی زمین میں ان سونے والی ہستیوں کی روحانی برکتوں سے سعادت دارین حاصل کرے جن کے اثرات وکرامات قیامت کے دامن سے دامن باندھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فقیر قریب گیارہ بجے کے حضرت خواجہ اور مولوی صاحب کے ہمراہ رائے بہادر سلطان سنگھ صاحب کا مکان دیکھنے کے لئے گیا۔ مکان کو دیکھ کر فقیر بھی آمادہ ہوگیا کہ چار پانچ روز یہاں قیام کرے بارہ بجے واپس آیا۔ چار بجے فیاملی اور بچوں کو لیکر حضرت محبوب الٰہی کی بارگاہ میں حاضری دینے گیا۔ اقبال چند (دولھا راجہ) اور رلایق علیخان (دولھا نواب) بھی ہمراہ تھے۔

رائے بہادر سلطان سنگھ کی کوٹھی میں سامان پہونچایا گیا۔ حضرت محبوب الٰہی کے دربار سے (۷ ۱/۲) بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔

۹ صفر ۱۳۴۳ھ ۹ ستمبر ۱۹۲۴ء ۱۴ آبان ۱۳۳۳ف	صبح کو بیدار ہوکر حوائج ضروری سے فارغ ہوا تھا کہ مولوی عبدالرؤف صاحب و حاجی محمد صدیق صاحب و حاجی عبدالغفار صاحب کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ تھوڑی

دیر گذرنے کے بعد حضرت خواجہ صاحب کے بھی آنے کی اطلاع ہوئی بارش ہو رہی تھی کہ فقیر باہر آیا۔ غفار صاحب کے جائے قیام پران سب حضرات کا مجمع تھا سب سے ملاقات کی بارش کا سلسلہ جاری ہے۔ جب کسی قدر ترشح کم ہوا تو

مولوی صاحب موصوف اور حاجی محمد صدیق صاحب کی خواہش پر حضرت میاں صاحب کے مدرسہ کے معائینہ کے لئے حبش خان کے پھاٹک میں گیا۔ حضرت خواجہ فقیر زادے۔ داماد اور غبار صاحب ہمراہ تھے۔ پہلے مدرسہ میں گیا جہاں طالب علم قرآن و حدیث کی تعلیم پاتے ہیں۔ یہ مدرسہ ایک مسجد میں واقع ہے چونکہ اس محلہ (پھاٹک حبش خاں) میں سوائے اہل پنجاب کے اور کوئی نہیں رہتا۔ یہاں سو روپیہ گز زمین کا ملنا بھی مشکل ہے آبادی نہایت گنجان بازار بہت تنگ ہے۔ مدرسہ کو دیکھا۔ ضوابط و قواعد و تعلیم پڑھے اقبال چند دولھا راجہ کو طالب علموں کو شیرینی کے لئے پچاس روپیہ دئے جانے کا حکم دیا۔ وہاں سے ہم سب حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان میں آئے جہاں انھوں نے ایٹ ہوم کا سامان کر رکھا تھا ان کا مکان مدرسہ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ جب میں وہاں پہونچا تو حسب ذیل حضرات نے خیر مقدم کیا حاجی محمد صدیق صاحب تاجر میزبان۔ حافظ خلیل الرحمن صاحب جوہری حاجی محمد امین صاحب تاجر کلکتہ۔ حاجی عبد الغفار صاحب مالک فرم حاجی علی جان صاحب (ان کی دولتمندی مشہور ہے۔ اور ان کی ہنڈی دنیا کے ہر حصے میں جاری ہے) مولوی سید انور الحسن صاحب نبیرہ حضرت شمس العلماء مولوی سید نذیر حسن صاحب محدث مولوی خلیل احمد صاحب پروفیسر سائنس علی گڈھ یونیورسٹی۔ شیخ محمد صدیق صاحب تاجر حاجی محمد صالح صاحب پسر حاجی عبد الغفار صاحب۔ مولوی محمد یونس صاحب مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب۔ مولوی ابو سعید شرف الدین صاحب

مدرس مدرسہ حضرت مولانا ۔ حافظ سید حسن صاحب فرزند سید ابوالحسن صاحب حافظ شیخ الاسلام ۔ حافظ ضیاالاسلام پسران سید عبدالسلام مرحوم ۔ وغیرہ وغیرہ ان سب سے ملاقات کی ۲۰ منٹ کے بعد دسترخوان بچھایا گیا اور فواکہات وغیرہ چنے گئے اس کے بعد چائے پان سے تواضع کی گئی ۔ یہ صحبت تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک رہی ۱۱½ بجے یہ جلسہ برخاست اور فقیر مع خواجہ صاحب کوٹھی کو واپس ہوا ۔ حضرت خواجہ صاحب اسی موٹر میں مکان کو تشریف لے گئے شام تک پھر کہیں نہیں گیا ۔

۱۰ صفر ۱۳۴۳ھ
۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء
۵ آبان ۱۳۳۳ف

صبح کے آٹھ بجے باہر آکر حضرت خواجہ صاحب سے ملا وہ ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ سید شرف الدین صاحب خواہرزادہ محبوب الٰہی کا کارڈ پیش ہوا ۔ خواجہ صاحب اٹھ کر غبار صاحب کے پاس گئے ۔ سید شرف الدین صاحب آئے اور تبرکات کی کچھ کشتیاں پیش کیں دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا ۔ وہ گئے تو کنور تحسین علیخاں صاحب رئیس کھلیا ضلع بلند شہر سابق کمانڈر انچیف جیپور آئے ان سے ملاقات کی ۔ آج راجہ پارس داس صاحب گورنمنٹ ٹریزرر اضلاع کرنال و گوڑگانوہ سے ان کے مکان پر جاکر کچھ تصویریں دیکھنے کا وعدہ ہے ۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب کی بھی خواہش ہے کہ میں ان کے مکان پر جاکر چائے پیوں اس لئے میں نورچشم خواجہ پرشاد ۔ خواجہ نصراللہ ۔ خواجہ اسداللہ اطال اللہ عمرہم اور حضرت خواجہ صاحب و غبار صاحب موٹروں میں سوار ہو کر پہلے فراشخانہ میں راجہ پارس داس کے مکان پر گیا جہاں انھوں نے اپنے

اخلاقی خلوص سے گرمجوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور چند قلمی تصویریں دکھائیں۔ ہار
پان اور الائچی سے تواضع کی۔ برخورداران مذکور کوٹھی کو واپس ہو گئے اور فقیر
وہاں سے مولوی سید عبدالرؤف صاحب کے مکان پر جا رہا تھا کہ اثنا راہ میں
حاجی سید عبدالمجید خاں صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ (جو محلہ فراشخانہ میں واقع ہے)
اور حکیم شمس الاسلام ملے اور خواہش کی کہ ان کے مدرسہ نعمانیہ کا معائنہ کروں۔ چنانچہ
فقیر وہاں گیا نواب بشیر الدین احمد خاں صاحب سابق ناظم جمعیت سرکار عالی
وہاں موجود تھے ان سے ملکر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ مدرسہ نعمانیہ میں بلاد
وامصار تبت و تاتار ہند و سندھ کے مختلف العمر طلبا موجود تھے۔ فقیر کے جانے
اور وہاں بیٹھنے کے بعد چند طلبا نے قرآن مجید قرات سے پڑھکر سنایا بعد اس کے
حاجی عبدالمجید صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ نے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے

خلاصہ تقریر مہتمم مدرسہ

”تغیرات زمانہ نے جہاں دہلی کی خصوصیات کو بدل ڈالا وہاں اس شرف سے بھی
اس کو محروم کر دیا جس نے اس کو ہندوستان کا بغداد و قرطبہ بنا رکھا تھا۔ علوم
فارسی و عربی دہلی کے معزز خاندانوں میں متوارث چلا آتا تھا اور تعلیم و اشاعت
علوم عربی و فارسی کی اس قدر کثرت تھی کہ ہر مسجد بجائے خود ایک دارالعلوم
تھی جس میں نہ صرف ساکنان دہلی بلکہ ممالک غیر کے طلبا بکثرت تعلیم پاتے اور
مختلف کمال میں ید طولے حاصل کر کے جاتے تھے بخلاف موجودہ زمانہ کے

کہ کچھ تو طلبا کی عدم توجہی اور کچھ معزز خاندانوں کی تباہی کے سبب بڑی بڑی درسگاہیں مذہبی و دنیوی برباد ہو گئیں جن کے آثار قدیم ہندوستان کی گذشتہ عظمت و شان اور علمی ترقیات پر آنسو بہا رہے ہیں علماء دہلی کے دل اس تنزل علمی کا احساس کرتے ہوئے نعل در آتش تھے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا چشمہ اس طرح خشک ہو جائے اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ کم سے کم ایک ایسا مدرسہ قدیم طریقہ پر دی جائے اور ایسے علماء کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جیسے ازمنہ قدیم میں پیدا ہوتے تھے چنانچہ اس غرض کی تکمیل کے لئے سنہ ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم نعمانیہ قائم کیا گیا جس میں ابتدائی تعلیم کے بعد عربی و فارسی کی حسب ذیل تعلیم دیجاتی ہے۔

(۱) عربی میں قرآن مجید و ترجمہ معہ تفسیر و حدیث و فقہ۔

(۲) علم کلام۔ صرف نحو عربی و فارسی و علم بلاغت معہ معقولات و تاریخ اقوام وغیرہ۔

ایسے مدرسہ کے قیام کے لئے وسیع عمارت۔ متعدد لائق اساتذہ مہتم بالشان کتب خانہ اور دارالاقامہ کی ضرورت ہے اور چونکہ یہ طلبا عموماً نادار مسافر ہوتے ہیں مدرسہ کی جانب سے سادہ لیکن صحت بخش کھانا اور غریبانہ لباس بھی ملنا ضرور ہے دہلی کے لوگوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ وہ ان اخراجات کے کفیل ہو سکیں اس لئے دست امداد دوسرے شہروں کے علم دوست لوگوں کے

سامنے وراز کیا گیا۔ چنانچہ اعلیٰحضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ وسلطنتہٗ نے اس سال امداد فرمائی ہے جس سے اس مدرسہ کی زندگی میں چار چاند لگ گئے۔ خدا کے فضل سے یہ مدرسہ بیالیس سال سے اپنے فرائض علمی کو انجام دیکر تنالیسواں سال پورا کرنے کے لئے قدم بڑھا رہا ہے۔ خدا کے فضل سے ہر سال طلباء بکثرت فارغ التحصیل ہوکر زمرہ علماء میں شامل ہوتے ہیں۔

دہلی کی حالت بدل گئی لیکن باہر کے لوگوں کو اس کے ساتھ وہی حسن ظن ہے جوق جوق باہر کے طلبا آتے ہیں لیکن گنجایش نہ ہونے کی وجہ سے چلے جاتے ہیں مہتمم مدرسہ کی سخت کوشش کے باوجود اس عرصہ میں مدرسہ کی مالی حالت نے ایسی ترقی نہیں کی جو قابل اطمینان ہو۔

چشمے اور تالاب لوگوں کو سیراب نہیں کر سکتے جب تک کہ ابر کرم خود ان کو لبریز نہ کر دے۔ مدرسہ کا فیض خود محتاج فیضیابی ہے اس وقت مدرسہ ایک ایسے مکان میں قائم ہے جو اس کی ذاتی ملک ہے لیکن محتاج تعمیر ہے۔ کاش آج اعلیٰ حضرت اپنے نام سے کوئی یادگار اس اسلامی دار العلوم میں تعمیر کرا دیں جو تا قیامت حضور کے اقبال اور جاہ و جلال کی ثنا خوانی کرتی رہے وغیرہ وغیرہ۔

اس تقریر کے بعد مہتمم صاحب نے ایک کتاب میری رائے کے لئے پیش کی جس پر فقیر نے حسب ذیل رائے لکھی۔

"فقیر شاد نے آج ۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء کو دار العلوم مدرسہ اسلامیہ نعمانیہ کا جو محلہ فراشخانہ

ہیں واقع ہے نواب بشیر الدین احمد خاں صاحب ۔حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب
حاجی عبد المجید صاحب ۔حکیم شمس الاسلام اور فقیر کے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار
کی معیت میں معائینہ کیا چند طلبا نے قرآن مجید قراءت سے پڑھ کر سنایا بعد اس کے
حاجی عبد المجید صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ نے ایک تقریر کی جس سے معلوم ہوا کہ اس
مدرسہ نے قابل قدر اسلامی و علمی خدمات انجام دیں اور سینکڑوں طلبا اس
مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر ہندوستان کے ہر گوشہ میں اشاعت علم دین میں
مصروف ہیں اس مدرسہ میں عربی ۔ فارسی اردو اور انگریزی یعنے دینی و دنیوی
تعلیم دیجاتی ہے ۔اعلیٰ تعلیم حدیث و فقہ و منطق اور فلسفہ کی ہے جس کے حاصل
کرنے کے لئے کابل ۔ قندھار ۔ عرب اور ترکستان تک کے طلبا آتے ہیں ۔ صرف
علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے وطن سے اس مدرسہ میں شریک ہو کر
فاطلبوا العلم ولو کان بالصین کو پورا کرتے ہیں ۔ اس وقت
تقریباً دو سو طلبا تعلیم پاتے ہیں ۔

اس مدرسہ کی مالی حالت جو مہتمم صاحب نے بیان کی ہے قابل اطمینان نہیں معلوم
ہوتی اس مدرسہ کو سردست مکان کی سخت ضرورت بتائی جاتی ہے ۔ اس مدرسہ
کے پاس ایک بوسیدہ قدیم مکان موجود ہے جس کی تعمیر کے لئے سرمایہ بہم پہونچانا
علم دوست اور اہل خیر کا فرض ہے ۔ اگر مدرسہ کو کافی امداد مل سکی جیسا کہ مہتمم صاحب
نے بیان کیا ہے تو بیشک یہ مدرسہ ہندوستان کے دیگر اسلامی مدرسوں سے

بہت زیادہ ترقی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اس فقیر کو امید ہے کہ اہل خیر حضرات
اس مدرسہ کی مدد کرنے میں خاص طور سے توجہ کرکے پایہ تخت دہلی کی قدیم علمی
ترقی کی داستانوں کو تازہ کریں گے۔"

پچاس روپیہ بچوں کی شیرینی کے لئے دیے گئے۔ یہاں سے سوار ہوکر حبش خاں
کے پھاٹک میں مولوی سید عبدالرؤف صاحب کے یہاں گیا حضرت خواجہ صاحب
اور غبار صاحب ہمراہ تھے۔ وہاں حاجی محمد صدیق صاحب۔ حافظ خلیل الرحمن
جوہری۔ حاجی محمد امین صاحب نیز دیگر حضرات موجود تھے۔ مولوی صاحب نے
کھانے وغیرہ کا بھی انتظام کیا تھا جو میرے خلاف تھا ایک بجے کے قریب
وہاں سے واپس ہوا۔

۱۱ صفر ۱۳۴۳ھ
۲۰ آبان ۱۳۳۳ف
۱۱ اگست ۱۹۲۴ء

آج مجھے حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہونا ہے
(۸) بجے باہر آیا اطلاع ملی کہ حاجی محمد صدیق صاحب و
حاجی محمد امین صاحب و مولوی سید عبدالرؤف صاحب
آئے ہیں میں ان سے ملا اور تھوڑی دیر ان سے باتیں کرکے ساڑھے نو بجے
معہ فیاملی موٹروں میں سوار ہوکر حضرت محبوب الٰہی کے بارگاہ میں گیا۔ زنانخانہ
میں زنانہ کو اتار کر فقیر محفل خانہ میں گیا جہاں مولانا حاجی احمد سعید صاحب ناظم
جمعیت علماء ہند مولانا سید احمد صاحب امام جامع مسجد۔ مولانا محمد علی صاحب
مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علماء ہند مولانا محمد عرفان صاحب

ناظم شعبہ تبلیغ - مولانا محمد عبد العلیم صاحب نائب ناظم جمعیت علمائے ہند - اڈیٹر صاحب مبلغ - اڈیٹر صاحب ظریف پنچ - محمد الواحدی صاحب - شیخ احسان الحق صاحب وغیرہ وغیرہ موجود تھے ان سب سے ملاقات کی - حضرت خواجہ صاحب نے کھانے کا انتظام کیا تھا - کھانے کے بعد دو گھنٹے تک قوالی ہوتی رہی قریب (۲) بجے کے مع فیاالی واپس ہوا - ۵ بجے حضرت خواجہ صاحب تشریف لائے اور فقیر شادان کے ہمراہ قرول باغ گیا جہاں کنور تحسین علیخان سابق کمانڈر انچیف ریاست جیپور انتظار کر رہے تھے ۷ بجے واپس ہوا -

اس مقام پر ضرورت ہے کہ مختصر حال شیخ المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الحق والدین کا لکھا جائے -

نام نامی و اسم گرامی آپ کا محمد بن احمد بن علی البخاری اور لقب سلطان المشائخ و نظام الدین اولیاء اور خطاب محبوب الٰہی تھا - آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے خلیفہ ہیں صاحب اخبار الاخیار مولانا عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب حضرت نظام الدین حضرت فرید الدین کی خدمت میں آئے تو اول جو بات بابا صاحب کی زبان سے نکلی وہ یہ شعر تھا - ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ — سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ حضور کے رعب جلالت نے میرے دل پر غیر معمولی اثر کیا حضور نے میری اس حالت کو محسوس فرما کر اشارہ فرمایا

لکل داخل دهشة میں نے بیعت کی اور عرض کیا کہ آیا پڑھنا ترک کروں اور اوراد نوافل میں مشغول ہوں فرمایا پڑھنے سے کسی کو منع نہیں کیا جا سکتا یہ بھی کرو وہ بھی کرو جو غالب آجائے درویش کو قدر علم ضرور ہے۔ بعدہ نعمت خلافت سے مشرف ہو کر دہلی میں آئے اور جب تک بابا صاحب زندہ رہے تین مرتبہ دہلی سے اجودھن میں بابا صاحب کی خدمت میں گئے۔ لیکن رحلت کے وقت بابا کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے اور بالہام غیبی آپ غیاث پور میں رہنے لگے مگر معاش درویشاں تنگ تھی چار چار روز تک روزہ پر روزہ رکھتے تھے۔ ایک عورت صالحہ عفیفہ آپ کے پڑوس میں رہتی تھی ہمیشہ اجرت پر سوت کاتا کرتی اور اس کے جو خرید کے نان بے نمک پکا کر افطار کرتی تھی ایک روز درویشوں کے فاقہ کا حال سن کر آدہ سیر جو کا آٹا جو اس کے پاس تھا حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں لائی۔ آپ نے شیخ کمال الدین یعقوب کو جو آپ کے اصحاب خاص سے تھے فرمایا کہ آٹا لیلو اور ایک مٹی کی ہانڈی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر پکا لو ممکن ہے کہ کوئی بندہ خدا نصیب ہو چنانچہ جب چولھے پر وہ ہانڈی رکھ کر آگ جلائی اور وہ ابلنے لگی اتفاقاً ایک فقیر دلق پوش آیا اور بآواز بلند پکارا کہ "نظام الدین جو کچھ حاضر ہے لاؤ" جواب دیا کہ ہانڈی جوش میں ہے ذرا ٹھہرو اس نے کہا کہ تو خود اٹھا اور اسی طرح جوش آئی ہوئی ہانڈی لا۔ آپ اٹھے اور ہانڈی درویش کے پاس لائے درویش

اپنے دونوں ہاتھ پہونچوں تک ہانڈی میں ڈالتا تھا اور گرم گرم نوالے اپنے منہ میں لیتا تھا۔ اور گرمی کا کوئی اثر ہاتھوں پر نہیں پہونچتا تھا۔ بقدر ضرورت اس نے کھایا اور ہانڈی کو توڑ ڈالا اور کہا اے نظام الدین نعمت باطنی تونے فرید سے پائی اور کاسہ فقر و فاقہ ظاہری کو بتیرے ہم نے توڑ دیا اب تو ظاہری و باطنی سلطان ہوگیا۔ یہ کہکر وہ درویش غائب ہوگیا اسی روز سے اس قدر فتوح و نذرانہ آنا شروع ہوا کہ جس کا حساب نہیں۔ یہاں تک کہ شیخ المشائخ کے باورچیخانہ کا روزانہ خرچ دو ہزار ٹنکہ سرخ کا تھا۔

سلطان علاء الدین خلجی کے انتقال کے بعد قطب الدین مبارک شاہ تخت پر بیٹھا جس نے علاء الدین کے فرزند خضر خاں کو (جو سلطان المشائخ کا مرید تھا اور وہ عمارت عالیشان جس کے صحن میں حضرت محبوب الٰہی کا مقبرہ ہے خضر خاں کی تعمیر کرائی ہوئی تھی۔) قتل کر ڈالا اور سلطان المشائخ کے آزار پر آمادہ ہوا۔ لیکن چونکہ تمام امیر غریب وزرا شرفا فوج اور افسر آپ کے مرید اور عقیدتمند تھے آپ کی ایذا رسانی پر قدرت نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایک روز قاضی محمد غزنوی سے کہ مشیر خاص شاہی تھا بادشاہ نے پوچھا کہ اتنا بڑا خرچ جو شیخ نظام الدین کا ہے اس کی آمد کی کیا صورت ہے قاضی بھی حضرت کے خلاف تھا کہنے لگا کہ امرائے شاہی وزیر و سپاہی سربراہی کرتے ہیں دو ہزار ٹنکہ سرخ کا خرچ باورچیخانہ کا ہے بادشاہ جلگیا اور حکم دیا کہ جو کوئی شیخ نظام الدین کے گھر جائے گا یا روپیہ پیسا

پہونچایگا سزا پائیگا۔ اور اس کا وظیفہ خزانہ سرکار سے موقوف کیا جائے گا۔ سلطان المشائخ نے یہ خبر سنکر خواجہ اقبال کو کہ خادم اور خانساماں تھا حکم دیا کہ آج سے خرچ مقررہ روزآنہ لنگر کا دوگنا کر دو۔ روپیہ کی ضرورت کے وقت فلاں طاق سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہکر نکال لیا کرو جب یہ خبر مشہور ہوئی بادشاہ شرمندہ ہوا۔

آپ نے اپنی رحلت سے چالیس روز قبل کھانا ترک کر دیا آخر وقت میں ہر نماز دوبارہ ادا فرماتے اور فرماتے کہ ہم جاتے ہیں ہم جاتے ہیں۔ اقبال خادم کو حکم دیا کہ اگر کوئی شئے کسی قسم کی تو گھر میں رکھے گا تو قیامت کے روز خدا کا دیدار ہوگا خادم نے سب اسباب راہ خدا میں دیدیا یہاں تک کہ غلہ بھی دیدیا۔ جب غلہ بھی تقسیم ہو چکا تو پارچہ جات خاص طلب کئے اور ان بقچوں میں سے ایک دستار خاص اور پیراہن اور مصلا اور شال خلافت مولنا برہان الدین غریب کو عطا فرما کر دکن کی طرف رخصت فرمایا۔ ایک دستار پیراہن اپنا مولانا شمس الدین یحیٰی کو مرحمت کیا۔ اسی طرح کل کپڑے اپنے خلفاء کو تقسیم کئے بعد اس کے حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی کو اپنے پاس بلا کر خرقہ و مصلا و تسبیح و کاسہ چوبیں کہ حضرت فریدالملت والدین سے آپ کو مرحمت ہوا تھا عطا کر کے فرمایا کہ تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں سختیاں برداشت کرنی ہوگی۔

بعد ازاں نماز عصر ادا کی ہنوز آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ محکمہ قضا و قدر سے فرمان کل من علیہا فان جاری ہوا بروز چہارشنبہ اٹھارھویں ربیع الاخر ۷۲۵ھ

وہ آفتاب شریعت و طریقت غروب ہو گیا - مزار مقدس آپ کا پرانی دہلی میں شاہ جہاں آباد سے تین کوس دکن کی طرف ہے جو غیاث پور کے نام سے مشہور ہے - حضرت کے چودہ خلفاء ہیں - جن کے نام نامی یہ ہیں -

(۱) خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (۲) حسام الدین ملتانی (۳) قطب الدین منور ہانسوی (۴) سراج الدین علیخاں عرف آغا سراج یہ چاروں خلیفہ بطور اربع عناصر کے ہوئے ہیں ان کو یاران اعلیٰ کہتے ہیں (۵) مولانا شمس الدین محمد یحییٰ (۶) مولانا فخر الدین زرادی (۷) مولانا علاء الدین نیلی (۸) مولانا شیخ برہان الدین غریب (۹) مولانا وجیہ الدین یوسف (۱۰) شیخ شہاب الدین امام (۱۱) امیر خسرو (۱۲) ابوبکر ہند (۱۳) وجیہ الدین پائلی (۱۴) شیخ لطیف الدین دریا نوش اور نیز امیر حسن علائی سنجری اور علامہ شیخ کمال الدین نے بھی خلافت پائی ہے -

۱۲؍ صفر سنہ ۱۳۴۲ھ ۲۶؍ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ع ۷؍ آبان سنہ ۱۳۳۲ف	شب کو مختار صاحب کو حکم دیا گیا تھا کہ صبح کو موٹر لیجا کر حکیم نابینا صاحب کو لیکر آئیں وہ گئے مگر حکیم صاحب کسی بزرگ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے تھے عذر کیا کہ آج میں تمام دن کہیں آنے جانے

کے قابل نہیں کل چل سکتا ہوں وہ واپس آئے - راحت محل (بڑی لڑکی) اور عشرت محل (بیگم) کو شدت سے بخار ہے لڑکیوں کا مزاج بھی نادرست ہے اطلاع ہوئی کہ امیر الملک بہادر (نواب مرزا بلاقی) جو شاہی خاندان سے ہیں ملاقات کو آئے ہیں فقیر نے ان سے ملاقات کی دیر تک باتیں کرتا رہا وہ ابھی بیٹھے

ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ صاحب اور سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون اڈیٹر اخبار ریاست آئے دیر تک ان سے بھی باتیں کیں۔

آج مجھے مدرسہ رحمانیہ دار الحدیث صدر بازار میں جانا ہے قریب دس بجے کے حضرت خواجہ صاحب و مولوی سید عبد الرؤف صاحب کو ساتھ لیکر مدرسہ مذکور میں گیا۔ اثنار راہ میں حضرت شاہ کلیم اللہ صاحب جہاں آبادی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔

کلیم اللہ جہاں آبادی کے مختصر حالات } آپ کا نام کلیم اللہ اور والد کا نام حاجی نور اللہ صدیقی ہے آپ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی اولاد سے ہیں آبا و اجداد ساکنان شہر خجند ملک ترکستان کے ہیں۔ آپ مرید اور خلیفہ حضرت شیخ یحیٰی مدنی کے ہیں۔ لیکن خلافت اور فیض آپ کو اور بہت سے بزرگوں سے پہونچا ہے آپ عالم علوم ظاہری و باطنی ہیں۔ صاحب وجد سماع بھی تھے آپ کی ولادت ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۰ھ میں ہوئی چنانچہ رقعات کلیمی میں اپنی تاریخ ولادت لفظ غنی کے لفظ میں لکھی ہے محفل سماع میں غیر طریقہ کے لوگوں کو نہیں آنے دیتے تھے۔ دروازہ بند کر کے دربان کو بٹھا دیتے تھے آپ صاحب تصانیف ہیں چنانچہ تفسیر قرآن القرآن کہ تفسیر جلالین کے مشابہ ہے سوار السبیل۔ تسنیم۔ عشرہ کاملہ کشکول۔ مرقعہ رقعات کلیمی۔ الہامات کلیمی اور ایک رسالہ علم منطق میں ہے۔ مرزا مظہر جان جانان ان کی صحبت کے بیٹھے

والوں میں ہیں - چوبیس ربیع الاول سنہ ۱۱۴۲ھ روز سہ شنبہ کو رحلت فرمائی آپ کی قبر دہلی میں لال قلعہ کے نیچے حاتم بازار میں جامع مسجد کے قریب ہے -
ان کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت علمائے ہند کے یہاں گیا جہاں مولانا سید احمد صاحب امام جامع مسجد مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علمائے ہند - مولانا محمد عرفان ناظم شعبہ تبلیغ مولانا عبد العلیم صاحب مولانا عطاء الرحمن صاحب و نیز دیگر حضرات سے ملاقات ہوئی - مولانا عبد التواب صاحب کی خیر مقدم کی تقریر کے بعد مولانا محمد صاحب نے عقاید حدیث پر تقریر کی فقیر نے ادائی تشکر و امتنان میں مختصر تقریر کی - یہاں سے ہم شمس العلماء مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کے مزار پر جا کر واپس ہوئے شام کو حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب آئے ۸ بجے کے قریب میری لڑکی محبوب بی بی کا مزاج ناساز ہوا - راحت محل (بڑی بی) کو بھی شدت سے بخار ہے - غیار صاحب کو حکیم عبد المجید مرحوم کے فرزند حکیم محمد احمد صاحب کو بلانے کے لئے بھیجا - وہ گئے اور حکیم صاحب کو لیکر آئے انھوں نے نسخے لکھے - ۱۰ بجے واپس ہوئے - غیار صاحب نے گیارہ بجے عطار کی دوکان کھلوا کر نسخے بندھوائے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب دوائیں لیکر آئے استعمال کرائی گئیں فی الجملہ افاقہ ہوا -

۱۳ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۱۶ ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء
۸ آبان سنہ ۱۳۳۳ف

۷ بجے حکیم نابینا صاحب آئے راحت محل - عشرت محل نیز اور مریضوں کی نبض دیکھی دوا تجویز کی اسی اثناء میں

حکیم محمد احمد صاحب اور ان کے ۲۰ منٹ کے بعد حکیم اجمل خاں صاحب آئے غبار صاحب حکیم نابینا صاحب کے ہمراہ دوا کے لئے گئے راحت محل کی علالت بدستور ہے

۱۴ ر صفر ۱۳۴۳ھ
۱۴ ر ستمبر ۱۹۲۴ء
۹ ر آبان ۱۳۳۳ ف

آج ہم یہاں سے اجمیر شریف کو روانہ ہونے والے ہیں احکام جاری کئے گئے ۔ سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی جو میری ملاقات کے لئے رامپور سے اور روح اللہ مہتمم کارخانجات اسٹیٹ پیشکاری بلدہ سے اجمیر آئے ہوئے تھے دہلی آئے ان سے ملاقات کی ایک بجے کے قریب معہ فیاملی سوار ہوکر اسٹیشن پر آیا سامان آرہا ہے تمام ہمراہی بھی آگئے ۔ پانچ بجے دس منٹ پر اجمیر کو روانہ ہونے والی ٹرین میں ہمارے اسپشل ڈبے اٹاچ کئے گئے اور ہم سب اجمیر شریف کو روانہ ہوئے

۱۵ ر صفر ۱۳۴۳ھ
۱۵ ر ستمبر ۱۹۲۴ء
۱۰ ر آبان ۱۳۳۳ ف

دس بجے ہماری ٹرین اجمیر شریف پہونچی اسٹیشن پر سید محمد حنیف صاحب وکیل درگاہ ۔ سید وزیر علی صاحب سید عبدالباری صاحب ۔ سید محمد امین صاحب ۔ محمد یوسف صاحب عبدالقیوم صاحب ۔ محمد شریف صاحب موجود تھے ۔ ہمراہیوں نے سامان اتارا ۔ ہمارے ڈبے سائڈنگ میں پہونچائے گئے موٹریں تیار تھیں معہ فیاملی سوار ہوکر سکھدیو پرشاد کی کوٹھی میں آیا ہوا نا ساگر کے پہاڑ پر واقع ہے ہمراہی بھی معہ سامان پہونچ گئے ۔ فقیر ۔/۔ (۶) بجے معہ بچوں اور دامادوں

اور غبار صاحب و عبد الحسین منتظم انگریزی بارگاہ حضرت خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوا آٹھ برس کے بعد فقیر کی دلی آرزو حاضری آستانہ مقدس کی پوری ہوئی فالحمدللہ حمداً کثیراً ؎

شاد چشم من ندیدہ بزم افروزے چنیں
سالہا شد گر خدا میخواستم روزے چنیں

۱۶ ار صفر ۱۳۴۳ھ ۱۶ ار ستمبر ۱۹۲۴ء ۱۱ ار آبان ۱۳۳۳ف	صبح کے (۶) بجے حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز کے دربار میں حاضری دینے کو حاضر ہوا ۔ بچے اور داماد ہمراہ تھے ۔ ۹ بجے واپس ہوا شام کو سید نثار احمد صاحب متولی آئے اُن سے ملاقات کی ۔
۱۷ ار صفر ۱۳۴۳ھ ۱۷ ار ستمبر ۱۹۲۴ء ۱۲ ار آبان ۱۳۳۳ف	۵ بجے صبح کے حضرت خواجہ کے دربار میں حاضری دی شام کو متولی صاحب آئے ان سے ملاقات کی غبار صاحب کو دیوان جی صاحب کے پاس بھیجکر ملاقات کا دن اور وقت دریافت کیا
۱۸ ار صفر ۱۳۴۳ھ ۱۸ ار ستمبر ۱۹۲۴ء ۱۳ ار آبان ۱۳۳۳ف	۵ ½ بجے حضرت خواجہ کے دربار میں حاضری دی نواب اصغر حسین کاکوروی آئے ان سے ملاقات کی غبار صاحب نے حکیم سید جمیل الحسن صاحب دہلوی کو پیش کیا ۔ بڑی رانی اور لڑکیوں کا علاج شروع ہوا ۔ ۹ بجے غبار صاحب و نواب اصغر حسین خاں صاحب

کو ہمراہ لیکر دیوان جی صاحب کی ملاقات کو گیا - وہاں ایک گھنٹے ملاقات رہی ۱۰ بجے وہاں سے اسٹیشن پر ڈبے دیکھنے کے لئے گیا ۱۱½ بجے واپس ہوا - حضرت خواجہ کے ضریح کے لئے غلاف اور دروازہ کے لئے پردہ کی تیاری کا حکم دیا - نواب اصغر حسین خاں و محمد ظفر خاں صاحب شام کو آئے ان سے ملاقات کی دیگ خورد کی تیاری کا حکم دیا

۱۹ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء
۴ آبان سنہ ۱۳۳۳ف

۵ بجے صبح کے معہ زنانہ درگاہ مبارک میں حاضر ہوا دیگ کے لٹنے کا نظارہ قابل دید تھا اس دیگ میں ۱۲۰ من سامان خرچ ہوتا ہے - مولوی طفیل احمد صاحب عارف مدرس مدرسہ معینیہ عثمانیہ کے نام دس روپیہ جیب خاص سے اجرا کرنے کا حکم دیا - چار بجے متولی صاحب اور شاہ مہدی میاں صاحب سجادہ مارہرہ شریف کے آنے کی اطلاع ہوئی فقیر باہر آیا اور ان سے ملاقات کی ان کے جانے کے بعد معہ فیاض علی فقیر اس کوٹھی کے دیکھنے کے لئے گیا جو کرایہ سے لی گئی تھی اور خالی تھی مگر ناپسند ہوئی وہاں سے واپس آیا -

۲۰ صفر سنہ ۱۳۴۳ھ
۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۲۴ء
۵ آبان سنہ ۱۳۳۳ف

آج میں پشکر راج کو جانے والا ہوں شب کو تین موٹریں اور پانچ تانگے اور گاڑیاں چار بجے حاضر رہنے کے لئے حکم دیا گیا تھا - راجہ پلٹن کے جوان اور راٹھور اور پردہ والے اور فراش وغیرہ کو تین بجے روانہ ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا وہ تین بجے روانہ ہو گئے - گاڑیاں چار بجے سے حاضر تھیں مگر ۵½ بجے معہ بچوں اور

دامادوں کے پہلے حضرت خواجہ غریب نواز کے دربار میں حاضر ہوا وہاں سے واپس ہونے کے بعد معہ بچوں دامادوں اور زنانہ کے پشکر کو روانہ ہوا بڑی رانی علالت کی وجہ سے نہیں جاسکیں۔

پشکر کے حالات

پشکر اجمیر سے سات میل کے فاصلے پر پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے اجمیر سے پشکر جاتے وقت سڑک کے دونوں طرف سر بفلک کشیدہ پہاڑ ہیں درخت سبزہ وغیرہ سے بالکل صاف ان پہاڑوں کے پتھر دھوپ میں اس طرح چمکا کرتے ہیں جیسے شب تاریک میں آسمان پر تارے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں کے پتھروں میں خصوصاً اور اجمیر شریف کے کل پہاڑوں کے پتھروں میں عموماً ابرک کا جز زیادہ ہے۔ راستوں میں لنگور لاکھوں کی شمار میں ہیں کہا جاتا ہے کہ ان پہاڑوں کے دروں میں اور چوٹیوں پر مرتاض فقرا رہتے ہیں جو ریاضت اور تزکیہ نفس کی تعلیم پاتے ہیں۔

پشکر میں ایک جھیل ہے جس کے چار طرف گھاٹ اور مندر بنے ہوئے ہیں جھیل کے بیچ میں ایک چھوٹی سی منڈھی ہے جس کو برھما کی جگی کہتے ہیں یعنے یہاں برھما کا ایک مندر بھی ہے جس میں برھما کی چومکھی مورتی اور اس کے چاروں لڑکوں کی مورتیں بھی بنی ہوئی ہیں اس کے سوا تمام ہندوستان میں برھما کا مندر اور کہیں نہیں ہے اس جھیل میں پانی بے انتہا ہے۔ مگرمچھ اور

کچھوے وغیرہ پانی کے جانور کثرت سے ہیں جو آدمیوں پر بھی چوٹ کرتے ہیں ہندو اس جھیل کو پرتھوی کا نیتر (زمین کی آنکھ) کہتے ہیں اور بہت متبرک سمجھتے ہیں اور تیرتھوں کی طرح یہاں بھی تین ہزار پنڈے ہیں وہاں پہونچکر چھوٹی رانی اور خواجہ پرشاد طال عمرہٗ کی بڑی ہمشیر دونوں نے اپنے مذہبی مراسم ادا کئے فقیر شاد حسب مقدور راہ للہ خیرات کرکے (۲) بجے واپس ہوا۔

۲۱ر صفر ۱۳۴۳ھ
۲۱ر ستمبر ۱۹۲۴ء } چار بجے صبح کے دربار حضرت خواجہ میں معہ زنانہ اور بچوں داما دوں کے حاضری دینے کی غرض سے حاضر ہوا عشرت محل کی طرف سے غلاف چڑھایا گیا۔ شام کے (۶) بجے معہ بچوں اور داما دوں کے دربار خواجہ میں پھر حاضری دی ۷½ بجے واپس آیا۔ حکیم جمشید علیخاں صاحب اختر علوی سے درگاہ میں ملاقات ہوئی جو میرے آنے کی خبر سن کر جیپور سے آئے ہیں

۲۲ر صفر ۱۳۴۳ھ
۲۲ر ستمبر ۱۹۲۴ء } دربار خواجہ میں ۵ بجے حاضر ہوا۔ بڑی رانی (راحت محل) جو اپنی علالت کی وجہ سے آج تک دربار میں نہیں گئی تھیں آج اسی حالت میں گئیں ۷½ بجے واپس ہوا ۹ بجے ریلوے کوآپریٹو اسٹور شاپ میں جاکر کچھ سامان بچوں کے لئے خریدا ایک بجے واپس ہوا حکیم سید جمیل الحسن صاحب آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کی۔ آج غیر معمولی اجابتیں ہوئی ہیں طبیعت مضمحل ہے شام کو دربار خواجہ میں نہ جاسکا

بچوں کو بھجدیا۔
غبار صاحب منتظم پیشی کو حکم دیا کہ پرشوتم لعل کنج بہاری لعل پردوہت گشنکر راج کے نام منجانب ارجن کمار عرف خواجہ پرشاد طال عمرہٗ یکم آذر ۱۳۳۴ف سے چار آنہ یومیہ جاری کیا جائے۔

۲۲ صفر ۱۳۴۳ھ / ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء پانچ بجے معہ بچوں اور لائق علیخاں (دولھا نواب) کے دربار خواجہ میں گیا۔ آج بڑی دیگ لٹنے والی ہے زیارت سے مشرف ہوکر دیگ کے لٹنے کا تماشا دیکھا۔ وہاں متولی صاحب اور کمشنر صاحب بھی آئے ہوئے تھے ان سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ یہاں سے برخاست کرکے متولی صاحب کے مکان پر گیا ۱۱ بجے کوٹھی کو واپس ہوا حکیم جمشید علیخاں صاحب محمد ظفر خاں صاحب رامپوری آئے ان سے ملاقات کی۔ آج سید محمد حنیف صاحب وکیل کے دو فرزند سید فضل الباری و سید فتح الباری کے نام آٹھ آٹھ آنہ کلدار یومیہ آبان ۱۳۳۴ف سے مقرر کرنے کا غبار صاحب کے نام حکم جاری کیا۔ پانچ بجے رام پال کنھیا لعل سیٹھ اور سید محمد حنیف صاحب وکیل آئے ان سے باتیں کرتا رہا ان کے جانے کے بعد سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی سے ملا۔ ۶ بجے معہ بچوں اور داماد وں اور وکیل صاحب کے دربار حضرت خواجہ میں حاضری دی ۷½ بجے واپس ہوکر حکیم سید جمیل الحسن صاحب سے ملا ان کے واپس جانے کے بعد پھر ہوش صاحب سے ملا دہ واپس ہوئے کیمپ کے کاغذات معائینہ کئے۔ شب کو ایک قطعہ لکھا

قطعہ

جھکتے ہیں شاہوں کے سر خواجہ کی وہ سرکار ہے
ہیں ملک درباں وہ شاہ چشت کا دربار ہے
شادؔ کیا پرواہ ہے بال ہما کی تجھ کو اب
خواجہ اجمیر کا تو مورچھل بردار ہے

دیگر

مورچھل جھلنے کی خدمت مل گئی
شادؔ کو دنیا میں عزت مل گئی
بارگاہ خواجۂ اجمیر سے
لو کلید گنج قسمت مل گئی

دیگر

ہند کے سلطان تم ہو مصطفےٰ کا واسطہ
پنجتن کا واسطہ آل عبا کا واسطہ
شادؔ اس در کا ہے سائل دیجئے دل کی مراد
یا معین الدین اجمیری خدا کا واسطہ

۲۴ صفر ۱۳۴۳ھ
۲۴ ستمبر ۱۹۲۴ء
۱۹ آبان ۱۳۳۳ ف

پانچ بجے معہ زنانہ دربار خواجہ میں حاضری دی بچے اور داماد بھی ساتھ تھے ۷ بجے واپس ہوا - آج مجھے پھر غیر معمولی اجابتیں ہوئیں - طبیعت کسلمند ہے - غبار صاحب نے اطلاع دی کہ ایک ڈیپوٹیشن مشہور وکلائے ہائیکورٹ اجمیر کا آیا ہے جن میں حسب ذیل اصحاب ہیں -

گھیسو لعل صاحب - پربھو دیال صاحب - گوبند پرشاد صاحب بیرسٹر - اچ سی سین صاحب بابو امرناتھ صاحب - سیٹھ بھیرو لال صاحب سیٹھ کشن لعل صاحب - بابو رام کشن صاحب سورج پال صاحب کلرک -

میں باہر آیا اور ان سے ملاقات کی۔ گوبند پرشاد صاحب بیرسٹر ایٹ لا نے گئوسالہ کے دستور العمل کا رجسٹر پیش کیا اور رائے کی کتاب بھی پیش کی جس پر میں نے حسب ذیل رائے لکھی۔

"فقیر شاد نے سنہ ۱۹۱۶ء میں اس گئوسالہ کو دیکھا تھا اس مرتبہ کثرت کار سے اگرچہ مجھے اس گئوسالہ کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن جہاں تک میں نے سنا گئوسالہ روزافزوں ترقی پر ہے اس گئوسالہ کے معزز ممبروں نے اس میں شک نہیں کہ نہایت دلچسپی اور مستعدی کے ساتھ اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ ارباب ہمت اگر اپنی دولت و ہمت کا کچھ حصہ ان بے زبان جانوروں کی غور و پرداخت میں صرف کریں تو یہ گئوسالہ انتہائی ترقی کے مراتب طے کر سکتا ہے۔ ایک شخص کی امداد سے ایسے کام انجام کو نہیں پہونچتے۔ ہاں اگر سلطنت کا کوئی سرتاج حصہ لے تو ممکن ہے"۔ یہ رائے لکھ کر سو روپیہ بے زبان جانوروں کے چارہ کیلئے دے جانے کا حکم دیا۔

۳ بجے معہ بچوں اور دامادوں کے درگاہ میں حاضر ہو کر صندل مالی میں شریک ہوا۔ قوالی سنی۔ اس کے بعد چلہ شریف میں گیا جہاں حضرت خواجہ پہلے پہل تشریف فرما ہوئے تھے۔

حضرت خواجہ کا دہلی سے اجمیر میں آنا

حضرت دہلی سے روانہ ہو کر علانیہ عام راستہ سے معہ چالیس اصحاب کے داخل

حدود اجمیر ہوئے۔ ہر چند کہ رائے پتھورا نے آپ کی نسبت نگرانی و ایذا رسانی کی اپنے عمال کو تاکید کی تھی لیکن ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

دشمنوں کی ایذا رسانی سے آپ حفظ و حمایت خدا میں تھے۔ جب آپ داخل اجمیر شریف ہوئے راجہ کے شتر خانہ کی طرف جو بیرون شہر اور بر سر راہ تھا آپ کا گذر ہوا۔ ایک سایہ دار درخت دیکھ کر مسافرانہ اس کے نیچے قیام فرمایا ساربان مانع ہوئے اور کہا یہ فقیروں کی نشست گاہ نہیں ہے مہاراج کا شتر خانہ ہے یہاں سے اٹھ جاؤ۔ یہ اونٹوں کی بیٹھنے کی جگہ ہے۔ جب ساربانوں نے بہت تشدد کیا تو حضرت کو ناگوار ہوا اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ہم اٹھتے ہیں تمہارے اونٹ بیٹھیں گے۔ آپ وہاں سے تالاب اناساگر کے کنارے ایک پر فضا اور خوشگوار مقام پر قیام فرما کر مشغول عبادت ہوئے شام کو جب سرکاری اونٹ اپنے مقام پر آکر بیٹھے پھر وہاں سے نہ اٹھ سکے۔ ساربانوں نے کوشش کی اور چراگاہ لے جانے کو اٹھانا چاہا مگر بے سود۔ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔ خواجہ بزرگ نے وقت ورود جس مقام پر نشست فرمائی تھی آستانہ مقدس میں مسجد کے نام سے مشہور ہے الغرض حضرت خواجہ بزرگ تالاب اناساگر کے کنارہ متمکن ہوئے وہ جگہ بھی اب تک تالاب کے شرقی کنارہ پہاڑ کی بلندی پر ایک کھلے ہوئے حجرہ کی صورت میں واقع ہے جس میں

آٹھ نو آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ ایک طویل صاف پتھر جس پر ایک آدمی نماز پڑھ سکتا ہے اب تک آپ کی نشست گاہ کی یادگار میں باحتیاط تمام رکھا ہوا ہے قبولیت دعا اور خلوت عبادت کے لئے مخصوص ہے یہ جگہ چلہ شریف کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے ملا ہوا مشرق کی طرف ایک اور مقام ہے جہاں بزرگوں کے کچھ مزارات ہیں۔ ان میں ایک مزار جو گنبد کے اندر ہے حضرت سالار مسعود غازی کا ہے جو خواجہ بزرگ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کی منت میں سری پائے وغیرہ پر فاتحہ کا عملدرآمد ہے اسی پہاڑی کے شمالی رخ وسط کوہ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا چلہ ہے جس میں دو تین آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اسی پہاڑ کے شمالی حصہ میں لب تالاب ایک پرفضا شاہی باغ ہے جس میں سنگ مرمر کی نہایت نفیس اور عمدہ عمارتیں شاہجہاں بادشاہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ فی زمانہ سرکار انگریزی کی طرف سے ان کی مرمت ہو کر سیرگاہ عام ہے۔ غرض جب حضرت خواجہ بزرگ اس جگہ جو چلہ شریف کے نام سے موسوم ہے سکونت پذیر ہو کر عبادت میں مشغول ہوئے تالاب بسیلہ پر جو اس وقت ہنود کا بڑا معبد تھا اور جس کے گرد قریب ایک ہزار بتخانے کے تھے جن میں یومیہ سو من تیل جلتا تھا ان مندروں میں ایک مندر خاص راجہ کا تھا جس کے مصارف کے لئے گاؤں معافی تھے حضرت کے اصحاب اس تالاب میں غسل اور وضو کر رہے تھے۔ ہنود کے لئے برہمی اور

برافروختگی کا سبب ہوا جو جس کو ملا لٹھ تلوار اور پتھر لیکر جماعت اہل اسلام پر حملہ آور ہوئے حضرت خواجہ اس وقت مشغول نماز تھے جب فارغ ہوئے ایک مٹھی خاک پر آیۃ الکرسی دم کرکے کفار کی طرف پھینکی وہ خاک جس کے جسم پر پڑی ساکت و صامت ہو گیا حرکت کرنے کی قدرت نہ رہی اور پریشان ہوکر راجہ کے مندر میں پناہ گزین ہوئے اس مندر میں ایک فقیر کامل رہتا تھا جس کا نام سادھو شادی دیو جو بڑا مرتاض نفس کش زاہد اور صاحب کشف و استدراج تھا علوم قدیمہ و جدیدہ کا عالم عامل خصوصاً علم نجوم و سحر میں کامل تھا تمام ہنود عام و خاص بلکہ راجہ پتھورا تک اس کے معتقد تھے ہر قسم کے اغراض و حاجات میں اس پر بھروسہ کرکے اس سے مدد مانگتے تھے اس کے پاس آکر سب نے فریاد کی اور عجز و زاری کرکے اس سے مدد کے طالب ہوئے۔ چونکہ وہ بھی صاحب کشف و استدراج اور ماہر علوم و فنون تھا حقیقت حال سنکر کچھ دیر چپ رہا پھر کہا کہ "یہ شخص بڑا بزرگ صاحب کمالات ہے اس سے اس طور پر جیسا کہ تم نے کہا سر برہونا دشوار ہے شاید سحر و جادو سے قابو چل جائے۔ یہ کہکر اٹھا اور اپنے چیلوں کو ساتھ لیکر حضرت کی طرف آیا۔ جیسے ہی حضرت خواجہ پر نظر پڑی بید کی طرح کانپنے لگا۔ حضرت نے ایک پیالہ پانی کا بھرکر اس کے پاس بھیجا شادی دیو نے خادم کے ہاتھ سے وہ پیالہ لے لیا پیتے ہی آئینہ دل پر جو رنگ ماسوئے اللہ تھا دور ہوکر صفائی وحدت کا نور جلوہ گر ہوا۔ دوڑکر حضرت کے قدم پر گرا اور مشرف بایمان ہوا۔ راجہ کو

ان تمام واقعات کی اطلاع دی گئی۔ ادھر ساربانوں نے غل مچایا کہ اونٹ نہیں اٹھتے
راجہ نے ساربانوں کو حکم دیا کہ اسی درویش کے پاس جاکر منت وعاجزی سے
قصور معاف کراؤ ساربان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے بڑی منت وعاجزی
کی حضرت نے فرمایا جاؤ تمہارے اونٹ کھڑے ہیں لیجاؤ ساربان آئے دیکھا
اونٹ کھڑے ہیں۔ راجہ کو اطلاع دی گئی۔ راجہ حیرت زدہ ہوکر زوال سلطنت
سے خوفناک ہوا۔ حضرت کے کمالات اور خوارق عادات وقدرت وہمت
وتصرف وغیرہ کا بیان اپنی والدہ سے سن چکا تھا مشاہدہ بھی ہو چکا اس کو پورا
پورا وثوق اپنی بربادی وتباہی حکومت کا ہو گیا۔ لیکن جان کے خوف بددعا کے
ڈر اور والدہ کی نصیحت سے چند درویشوں کے ساتھ ظلم وتعدی بھی نہیں کرسکتا
تھا۔ آخر جیپال سے مدد وہمت طلب کی یہ شخص اجمیر سے تین چار کوس کے فاصلے
پر پہاڑوں میں رہتا تھا۔ طلسم وجادوگری میں تمام ہندوستان میں فرد اور
مجاہدہ کمالات فقیری میں ماہر تھا۔ اس کے ڈیڑھ ہزار چیلے تھے جن میں سات سو
چیلے جادوگری اور اعمال سفلی میں طاق تھے (معرکہ اجیپال کا حال فقیر نے اپنے
سفرنامہ سیر وسفر میں تفصیل سے لکھا ہے نیز تذکرۃ المعین۔ مونس الارواح
وغیرہ کتابوں میں بھی درج ہے اس لئے قلم انداز کیا گیا)

آج صبح کی ٹرین سے دولھا راجہ اقبال چند اپنی بیوی کے ہمراہ دوار سے
اجمیر میں آئے۔

۲۵ صفر ۱۳۴۳ء | آج ۴ ½ بجے فقیر اپنی لڑکی (اقبال چند کی بیوی) کو زیارت
۲۵ ستمبر ۱۹۲۴ء | کرانے کی غرض سے آستانہ مبارک میں لے گیا۔ ۸ بجے کے
قریب واپس ہوا۔ محمد فہیم فرزند سید وزیر علی صاحب برادر سید محمد حنیف صاحب
وکیل کے نام جیب خاص سے تعلیمی وظیفہ آذر ۱۳۳۴ف سے سات روپیہ ماہانہ
کلدار جاری کیا۔ ۴ بجے متولی صاحب آئے دیر تک ان سے باتیں کرتا رہا
۹ بجے شب کے آستانہ مبارک میں مجلس سماع میں گیا ۱۰ ½ بجے واپس آیا۔

۲۶ صفر ۱۳۴۳ء | آج میں یہاں سے بمبئی کو روانہ ہونے والا ہوں ۵ بجے
۲۶ ستمبر ۱۹۲۴ء | صبح کے آستانہ مبارک میں حاضری دینے کیلئے حاضر ہوا
۷ ½ بجے واپس ہو کر اسٹیشن پر پہونچا۔ زنانہ کو ان کے اسپشل ڈبوں میں سوار
کرایا سامان بھی ہمراہیوں کے ساتھ آگیا ۱۰ بجے ہماری ٹرین روانہ ہوئی
۵ بجے سوجت روڈ جب پہونچا تو مجھے اپنا سفر ۱۹۱۶ء کا یاد آیا۔

۲۷ صفر ۱۳۴۳ء | صبح کے ۵ بجے ہمارے ڈبے احمد آباد کے اسٹیشن پر پہونچے
۲۷ ستمبر ۱۹۲۴ء | ڈبے سائڈنگ میں پہونچائے گئے۔ بعض درگاہوں میں
جانے کا ارادہ تھا موٹریں منگائی گئیں۔ مگر وقت کی تنگی سے جا نسکا۔ ۸ بجے
کی ٹرین میں ہوش صاحب بمبئی سے اور ۱۱ بجے کی ٹرین میں سید محمد حنیف صاحب
وکیل اور روح اللہ اجمیر شریف سے احمد آباد آکر مجھ سے ملے۔ پانچ گھنٹے قیام
کرکے ۱۲ بجکر ۲۵ منٹ پر ہم بمبئی کو روانہ ہوئے۔

احمد آباد گجرات فقیر شادے نے اس شہر کو اپنے پچھلے سفر سنہ ۱۹۱۶ء م سنہ ۱۳۳۴ھ میں تفصیلی نظر سے دیکھا تھا اور اس کے تاریخی حالات بھی درج روزنامچہ سیر و سفر کئے گئے تھے لیکن جب فقیر احمد آباد آچکا ہے اور سات آٹھ گھنٹے قیام بھی کر چکا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس روزنامچہ کو وہاں کے حالات اور عمارات سے تشنہ رکھا جائے۔

یہ قدیم شہر دریائے صابرمتی کے کنارے آباد اور احمد شاہ والی گجرات کی یادگار ہے جس نے سنہ ۸۱۳ھ (۱۴۱۱ء) میں اس کا بنیادی پتھر رکھا اس کا مادۂ تاریخ (خیر) ۸۱۰ھ سلطان احمد شاہ اور سلطان محمود شاہ بیگڑھ سلاطین گجرات کے زمانہ میں علم و فضل صنعت و تجارت کے اعتبار سے ہندوستان کے شہروں میں ممتاز شمار ہوتا تھا۔ ایک زمانہ میں اس کی آبادی دس لاکھ تک پہونچ گئی تھی ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں اور مقبرے تھے جن کے ساتھ عمدہ خوشنما باغ لگے ہوئے تھے۔ شہر کے اطراف و جوانب میں پانچ پانچ چھ چھ میل تک پرانی عمارتوں کے کھنڈر دیکھنے سے آبادی کی اس کثرت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے عہد تک احمد آباد صنعت تجارت اور فراوانی دولت سے اپنی پوری شان و شوکت پر تھا مگر محمد شاہ کے زمانہ میں مرہٹوں کے حملوں سے اس کی رونق میں فرق آگیا۔ سنہ ۱۸۱۷ء سے سرکار انگریزی کے قبضے میں ہے اور اس وقت کمشنر گجرات کا صدر مقام ہے اس زمانہ میں

اس کی آبادی تخمیناً دو لاکھ ہے ۔ جینی لوگ یا وجودیکہ ان کی آبادی دس فیصدی سے زیادہ نہیں مگر تجارت اور تمول میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۔

ریلوے اسٹیشن شہر سے ملا ہوا ہے چاروں طرف شاہی زمانہ کی پختہ فصیل ہے پانچ کنوئیں کے دروازے سے شہر میں داخل ہوں تو ایک بڑے بازار سے گذرنا ہوتا ہے ۔ جو تقریباً ایک میل طولانی ہوگا ۔

اس شہر کی عمارتیں خوشنما سڑکیں مصفا اور دوکانیں تجارتی مال سے بھری نظر آتی ہیں ۔ وسط میں مانک چوک کے قریب سلطان احمد شاہ کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان ہے اس کے صحن کا طول (۷۰) گز اور عرض (۳۲) گز ہے مسجد کے علوشان کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ (۳۵۲) ستونوں پر چھت قائم اور اس میں چھوٹے بڑے پندرہ گنبد ہیں اس کے مشرق کی طرف ایک احاطہ میں سلاطین گجرات کی قبریں اعلیٰ درجہ کی صناعی و گلکاری کے باعث قابل دید ہیں ۔ یہ لمبا بازار تین در کے دروازہ سے ہوتا ہوا اس موقع پر ختم ہوتا ہے جہاں سلاطین گجرات کے محلوں کی بقیہ عمارتیں اب تک اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں خصوصاً رانی سیپری کی مسجد جس کو سلطان محمود شاہ بیگھڑہ کی بیوہ رانی سیپری نے ۹۲۰ھ ۱۵۱۴ء میں تعمیر کرایا تھا اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرز تعمیر ایک جا دکھلائی گئی ہے اور عمارتی خوبیوں کے لحاظ سے احمد آباد کی سب مسجدوں سے خوبصورت اور سرمایہ فخر و ناز ہے فصیل شہر سے ملا ہوا ایک میونسپل باغ ہے جس کے اس طرف

دریائے سابرمتی بہتا ہے یہاں اکثر لوگ شام کے وقت ہوا خوری کو آتے ہیں
شہر کے مشرقی جانب "کانکریا" ایک عظیم الشان تالاب سب سے اچھی اور خوشنما
سیرگاہ ہے اس کے وسط میں ایک باغ اور باغ میں پختہ عمارت بنی ہوئی ہے
گرداگرد باقاعدہ درختوں کی قطاریں اور جا بجا پھولوں کے تختے ہیں۔ ایام بارش
میں یہ تالاب لبریز ہو جاتا ہے۔ اس میں کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ یہ تالاب سلطان
قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی کی یادگار ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہی زمانہ میں تالاب کے
چاروں طرف عمدہ عمدہ عمارتیں اور خوشنما باغات تھے۔ شہنشاہ جہانگیر کے
زمانہ میں ان کی مرمت بھی ہوئی تھی مگر زمانہ کے بیدرد ہاتھوں نے ان سبکو برباد کردیا
احمد آباد کے لوگ صناعی اور دستکاری میں مشہور ہیں۔ سوتی۔ ریشمی اور طلائی و
نقرئی تار کا کپڑا بنانے میں ایک خاص کمال رکھتے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کی
دستکاری وہاں اس قدر زیادہ ہے کہ شہر کے بڑے حصے کی روزی اس پر
منحصر ہے۔ اسی وجہ سے ان کے یہاں ایک پرانی مثل چلی آتی ہے "احمد آباد
تین تاروں پر لٹکتا ہے" دھوتیاں۔ ساریاں۔ بکثرت بنتی اور تمام پرسیڈنسی
میں فروخت ہوتی ہیں۔ ریشمی جالیاں۔ململ۔ پگڑیاں اور کمر بند بھی عمدہ
تیار ہوتے ہیں۔ کمخواب یہاں اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ خالص سونے اور چاندی
کے تاروں کے کپڑے خوب بنتے ہیں جس کی سنہرے اور روپہلے کہتے ہیں۔ سونے
اور چاندی کا تار بنانے میں یہاں کے لوگ ایسے مشاق ہیں کہ ایک تولہ

چاندی کا اٹھ سو گز لمبا تار جنتری میں ہاتھ سے کھینچ لیتے ہیں۔ لکڑی اور چمڑے کا کئی قسم کا کام عمدہ تیار ہوتا ہے۔ شاہی زمانہ میں احمد آباد کے اطراف وجوانب میں پانچ پانچ میل تک آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ کئی سو مسجدیں اور چند عالیشان مقبرے جو اس وقت ویرانے کو آباد کر رہے ہیں۔ اس زمانہ کی یادگار اور سیاحوں کی خاص دلچسپی کا باعث ہیں۔ ان میں سے صرف چند مقامات قابل ذکر ہیں

(۱) دادا ہری کا کنواں۔ یہ کنواں (۱۹۶) فٹ طویل اور (۴۰) فٹ عریض ہے اس میں اترنے کے واسطے تین گیلریاں اور گیلری میں متعدد زینے بنے ہوئے ہیں آخری گیلری سطح آب سے دو تین فٹ بلند ہے۔ گیلریوں کے بنانے میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ ایک طرف کی سیڑھی دوسری طرف کی سیڑھیوں سے جاملی ہے جس سے ایک گیلری سے دوسری گیلری میں باسانی پہنچ سکتے ہیں

(۲) شاہ عالم کی درگاہ۔ شہر سے دو میل جنوب کی طرف شاہ عالم کی درگاہ ہے درگاہ میں داخل ہونے کے لئے اول ایک فصیل آتی ہے اس کے پھاٹک میں داخل ہوتے وقت پھاٹک کے بیرونی طاقوں میں لوگ پتھر پھینکتے ہیں اگر طاق میں رہ گیا کام ہوگیا ورنہ ناکامیابی کی فال ہے اس کے آگے احاطہ اور پھاٹک آتا ہے اندر پہونچکر سامنے خاص درگاہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں بڑی عظیم الشان درگاہ ہے تیسرے درجہ میں اجمیر شریف کی درگاہ کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ داھنی طرف مسجد ہے عظیم الشان مینار نہایت بلند

اور خوشنما ہیں۔ مسجد میں اوداسی اور پریشانی۔ شہد کی بڑی بڑی مہالیں لگی ہوئی ہیں اور روضے کا گنبد اور غلام گردش کی عمارت اپنی یکتائی میں بے مثل ہے غلام گردش (۹) قدم عریض ہے۔ روضہ اندر سے نہایت وسیع ہے سنگ مرمر کے ڈیڑھ گز بلند کٹہرے ہیں۔ حضرت شاہ عالم کا مزار پرانوار ہے۔ یہ حضرت سہروردیہ طریقہ کے کامل ترین بزرگواروں میں کے ایک بزرگ اور ولی کامل تھے شاہان گجرات میں ان کا اعلیٰ درجہ کا رسوخ تھا۔

سلطان محمود بیگھڑا کے مرشد تھے۔ مزار کے اوپر سیپ کی ایک راؤٹی ہے اور شترمرغ وغیرہ کے انڈے آویزاں ہیں۔ اگرچہ روضہ نہایت عالیشان خوشنما خوش وضع اور وسیع ہے مگر جانورا بابلیں چمگادڑوں کا مسکن ہے جس سے روضہ میں ایک ناگوار بدبو آتی ہے مسجد کے قریب ایک اور خوبصورت مقبرہ ہے اس میں درمیانی قبر کے سینے پر ایک پتھر نصب ہے جس میں قدموں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ مسجد میں دو چوبی تخت آویزاں ہیں۔ جس پر حضرت وعظ فرمایا کرتے تھے۔ مسجد کے صحن میں پانی کے ٹانکے ہیں جن میں برسات کا میٹھا پانی بھرا رہتا ہے۔ درگاہ کے سرھانے مجلس خانہ ہے جس کو دیوان خانہ کہتے ہیں کسی زمانہ میں یہ مقبرہ سونے اور جواہرات سے مزین تھا اب بھی اس کا برنجی دروازہ قابل دید ہے۔ جو صناعان احمد آباد کی اعلیٰ صنعت کا نمونہ ہے

(۳) سرخیز۔ یہ بنگلہ شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر سلطان محمود بیگھڑا کی سیرگاہ ہے

شاہی زمانہ میں یہاں ایک تالاب اور اس کے کنارے پر عالیشان عمارتیں تھیں اب تالاب خشک اور عمارتیں شکستہ ہیں اس کے ایک طرف سلطان محمود بیگھڑا اور اس کے بیٹے سلطان مظفر کے عالیشان مقبرے ہیں۔ تالاب کے شمالی کنارے پر شیخ احمد کھٹو ایک بڑے بزرگ کا مقبرہ ہے جو سلطان احمد شاہ کے مرشد تھے سرخیز کو جاتے ہوئے سڑک سے شمال کی طرف ایک مقبرہ "شیر خدا" کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ ہر شب کو یہاں آیا کرتا ہے۔ شام سے صبح تک کوئی شخص یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ فقیر کے منتظم ہیشی غبار صاحب نے جو کہ تین چار برس احمد آباد میں رہے ہیں چشم دیدہ اس کی تصدیق بھی کی۔

(۴) حضرت موسیٰ سہاگ دہلی دروازہ کے باہر کیمپ کی سڑک پر پہلے حضرت موسےٰ بارک اللہ شاہ صاحب اور اس کے تھوڑی دور آگے حضرت موسیٰ سہاگ صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت شاہ نظام الدین محبوب الٰہی کے خلیفہ ہیں موسےٰ سہاگ کی درگاہ میں جاتے ہوئے اول ایک وسیع احاطہ ہے دروازہ میں داخل ہوکر۔ ایک اور احاطہ نظر آتا ہے۔ اس احاطہ کے دروازہ پر ایک خشک قدیمی درخت ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چمپا کا درخت ہے اور حضرت کے زمانہ کا ہے اس میں لوگ منت کی چوڑیاں ڈالتے ہیں حضرت موسےٰ سہاگ اور ان کے سلسلے کے فقیر سہاگن عورتوں کے لباس میں رہتے تھے اس لئے ان کی درگاہ میں چوڑیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ دوسرے

احاطہ میں داخل ہوکر ایک مسجد ہے اور حضرت کا چھوٹا سا روضہ۔ روضہ کا گنبد گو چھوٹا سا ہے مگر حضرت امیر خسرو کے گنبد کی شکل ہے۔ اس کے اندر چار قبریں ہیں اور ان پر سرخ کپڑے کا غلاف پڑا ہوا ہے۔ یہ چاروں قبریں حضرت کی بیان کی جاتی ہیں چاروں پر چوڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ روضے کے گرد قبرستان ہے اور ان قبروں پر چونے میں چوڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ یہ درگاہ گورنمنٹ کے قبضے میں ہے۔ ایک مقفل بکس میں نذر ڈالی جاتی ہے جس کی گورنمنٹ مالک ہے کچھ فقیر بطور مجاور و خدمت گذار یہاں رہتے ہیں جو سرخ لباس پہنتے ہیں رجب کے مہینے میں دسویں تاریخ عرس ہوتا ہے۔

یہاں سے واپسی میں تھوڑی دور چلکر حضرت سید پیر محمد شاہ صاحب کا مزار ہے۔ یہ ایک نہایت عالیشان اور وسیع عمارت ہے۔ وسط میں خوبصورت و خوشنما گنبد ہے سنگ مرمر کا فرش ہے اور مزار ایک آراستہ پیراستہ چھپر کھٹ کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ سید پیر محمد شاہ قادری سلسلے کے فقیر تھے اکثر بوہروں کو مرید کرتے تھے چنانچہ اب بھی اس درگاہ کے سنی بوہرے مہتمم ہیں درگاہ کی سات ہزار سالانہ کی آمدنی ہے یہاں سے کچھ فاصلے پر حضرت شاہ وجیہ الدین گجراتی کا مزار ہے یہ بھی شاندار درگاہ ہے حضرت شاہ صاحب بڑے عالم و فقیہہ تھے سلسلہ شطاریہ سے تعلق تھا۔ حضرت محمد غوث گوالیری سے بھی فیض حاصل کیا ہے ۹۹۸ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پر ایک

چوبی راؤٹی بنی ہوئی ہے جس میں سیپ کی مینا کاری ہے یہ راؤٹی حضرت محبوب الٰہی کی راؤٹی کی مثل ہے۔ اکثر سیپ کے ٹکڑے جھڑ گئے ہیں۔ مرتضیٰ خان الملقب بہ فرید خاں دریا دل کی بنائی ہوئی ہے حضرت محبوب الٰہی کے روضہ شریف میں بھی انھیں فرید خاں نے سیپ کی راؤٹی بنائی تھی۔ فرید خاں جہانگیر بادشاہ کے امرا میں تھے اور غالباً حضرت شیخ سلیم چشتی کی اولاد میں تھے۔ اس درگاہ میں ایک حوض ہے مسجد کے قریب اس پر ایک مخصوص جگہ بنی ہوئی ہے مشہور ہے کہ یہاں بیٹھ کر حضرت نے وضو کیا تھا اب لوگ اس جگہ سے پانی لیکر بطور تبرک و شفا استعمال کرتے ہیں اور پارسلوں میں اطراف ہند میں بھیجتے ہیں۔

۱۲ بجکر ۳۵ منٹ پر ہم بمبئی کو روانہ ہوئے۔ گاڑی لیٹ تھی بجائے پونے (۶) بجے کے ساڑھے (چھ بجے ہم اسٹیشن قلابہ پر پہونچے بارش ہو رہی تھی۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور نے اپنے فطری اخلاق و محبت سے چار موٹریں تین لاری موٹریں سامان کے لئے اور ۲۵ فٹن گاڑیاں اسٹیشن پر حاضر رہنے کا انتظام فرما دیا تھا۔ فقیر شاد موٹروں میں مع فیا ملی۔ بچوں اور دامادوں کے سوار ہو کر ڈونگرسی روڈ کوزی کارنر ہوس میں پہونچا جو ہز ہائینس نے ڈھائی ہزار روپیہ مہینے کرایہ پر اس فقیر کے لئے لی تھی۔ سامان بھی آگیا ہز ہائینس نواب صاحب کی طرف سے صاحبزادہ نواب بشیر الدین احمد خانصاحب برادر نواب لوہارو اور حبیب الرحمٰن خانصاحب منصرم خاص طور پر کیمپ

کی سربراہی کے لئے مامور تھے۔ ہوش صاحب سفارت کی خدمت پر مامور تھے۔ چار بجکر ۲۰ منٹ پر ہز ہائینس نواب صاحب معہ اپنے اسٹاف کے جن میں عبدالصمد خاں صاحب چیف سکرٹری صاحبزادہ محمود علی خاں صاحب پرائیوٹ سکرٹری کرنل سعید اللہ خاں ملٹری سکرٹری کرنل محمد علیخاں صاحب افسر فوج تشریف لائے نہایت تپاک سے معانقہ فرمایا۔ ۸ بجے تشریف لے گئے۔

۲۹ صفر ۱۳۴۳ھ
۲۹ ستمبر ۱۹۲۴ء
آج ۸ بجے معہ بچوں اور دامادوں کے موٹر میں سوار ہوکر ہوا خوری کو گیا۔ تاج ہوٹل میں چار پی آر می نیوی کی شاپ سے چند دستی گھڑیاں خریدیں جو نواب صاحب کے اسٹاف میں تقسیم کرنے کے ہیں اور ان پر فقیر شاد کا مانوگرام کندہ کرنے کے لئے آرڈر دیا گیا ۲ ½ بجے واپس ہوا۔ تین بجکر (۴۰) منٹ پر ہز ہائینس معہ اسٹاف تشریف لائے (۷) بجے تشریف لے گئے۔ ساڑھے ۹ بجے شب کے فقیر بھی معہ بچوں اور دامادوں اور چند ملازمین کے ہز ہائینس کی ملاقات کے لئے ان کی کوٹھی سمر سٹ میں گیا جو وارڈن روڈ پر واقع ہے یہ کوٹھی مہاراجہ اندور کی ہے جو انھوں نے تیس لاکھ روپیہ میں خریدی ہے۔ شب کے (۲) بجے واپس ہوا شب کو ہز ہائینس نواب صاحب کی مہمان نوازی کے متعلق مسدس کے چند بند لکھے لکھ کر خوشنویس کو صاف کرنے کے لئے دئے جو حسب ذیل ہیں۔

مسدس

چوں ننازم من ز تکلیف قدم فرسائے تو　　نقش بر دل میکشد نقش محبت ہائے تو
کیست در مہمان نوازی ہمسر و ہمتائے تو　　شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
بام کوزی کار نہ ہوس از فلک بالا رسید
مخلصانہ میزبان شاد چوں اینجا رسید

بعد مدت کے بہار آئی ہوا دل باغ باغ　　سے نسیم روح پرور سے تر و تازہ دماغ
بادۂ عیش و مسرت سے بھرا دل کا ایاغ　　کیوں نہ حاصل ہو فلک کی فتنہ سازی سے فراغ
دیدہ عشرت ندیدہ بزم افروز چنیں
سالہا شد کز خدا میخواستم روزے چنیں

بعد مدت آسماں ہم پر ہوا ہے مہرباں　　شاد کام و شادماں ہیں کامیاب و کامراں
شاد ہے مہمان رئیس نامور ہے میزباں　　ہم سمجھتے ہیں کہ پایا ہم نے گنج شائگاں
با چنیں دوری کہ ما داریم قربت یافتیم
خویشتن را سرخوش لطف و عطوفت یافتیم

آرزو مند ملاقات اک مدت تک رہا　　گو سفر اکثر کئے لیکن نہیں موقع ملا
دہلی سے اجمیر ہو کر بمبئی جب آ گیا　　حسرت دیرینہ نکلی پا یا دل کا مدعا
بعد عمرے ایں چنیں بزم طرب آراستیم
خوشدلی و شادکامی از خدا میخواستیم

مخلص الدولہ بہادر ملک و ملت کے معین ذی حشم بالغ نظر طرز طراز داد و دین
صاحب اقبال و عزت حامی اہل یقین علم پرور حلم خصلت رحم دل خلت قرین

گر کسے خواہد کہ اقبالش فراوانی کند
نقش بر لوح جبیں نقش سلیمانی کند

سید السادات عالیجاہ ذی خلق حسن یہ مطاع ہند ہو کر ہیں مطیع پنجتن
عاشق نام حسین ابن علی شاہ زمن ہیں موید یہ بتائید خدائے ذو المنن

خاص مومن آنکہ دم از عشق حیدر میزند
دست دل بر دامن آل پیمبر میزند

انتظام مملکت میں آپ ہی اپنی نظیر آسماں حکمرانی کے لئے ماہ منیر
صاحب اقبال و عزت مالک تاج و سریر وہ مدبر جن کی تدبیروں کا قایل چرخ پیر

حق چو اورا در جہاں فرمانروائی دادہ است
آسماں فتنہ پرور ہم ز کار افتادہ است

بمبئی میں مجھ کو لائی مہربانی آپ کی مہربانی آپ کی یہ قدر دانی آپ کی
شاد سے ممکن نہیں ہے مدح خوانی آپکی ہاں نہ بھولیگا کبھی یہ مہربانی آپکی

من چہ چیزے نگویم از محبت ہائے تو
شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

ان کا بندہ ہوں جو بندہ ہیں محبت کے مدام اور احسان مند محسن کا رہوں کا مستدام

ہے دعا دل سے رہو تم با مراد و شاد کام
حق تعالیٰ دین میں دنیا میں رکھے شاد دم

شادماں باشی کہ بر شاد از تو احسانے رسید
جاودان زی کز تو کار خود لبا مانے رسید

باغ میں جب تک بہار بے خزاں آتی رہے
تازگی گل کی دل بلبل کو بہلاتی رہے
دیدہ گلچیں کو نرگس آنکھ دکھلاتی رہے
دامن گلشن پہ شبنم موتی برساتی رہے

مخلص الدولہ بہادر سایہ ات پائندہ باد
آفتاب عمر و دولت دائما رخشندہ باد

۲۹ صفر ۱۳۴۳ھ / ۲۹ ستمبر ۱۹۲۴ء — شب کو دیر میں سویا تھا۔ اس پر بھی حسب عادت پانچ بجے بیدار ہوا۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر انگریزی منتظم کے کے کاغذات معائینہ کئے۔ ہوش صاحب سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔ ۹ بجے معہ بچوں کے موٹر میں سوار ہو کر بعض شاپوں میں گیا ایک بجے واپس ہوا ۷ بجے معہ ہوش صاحب و دولھا راجہ (اقبال چند) اور بچوں کے ہز ہائینس کی ملاقات کو گیا ۸ بجے واپس ہوا۔ دولھا راجہ اور بچے ہوش صاحب کے ہمراہ سینما کا تماشا دیکھنے کے لئے گئے۔

یکم ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / یکم اکتوبر ۱۹۲۴ء — ۸½ بجے حضرت پیر ابراہیم صاحب افندی کی ملاقات کو گیا۔ نواب لیاقت جنگ بہادر دولھا بادشاہ (سلیمان علی خان) اور برخوردار خواجہ پرشاد سلمہ اللہ تعالیٰ ہمراہ تھے۔ ایک

بجے واپس ہوا ۔ منتظم انگریزی امپیریل بنک اور غیاث صاحب عبد الرحمن اسٹریٹ
کو گئے ۴ بجے ہمایون مرزا امیر سٹریٹ لا آئے (۴) بجے حضرت پیر ابراہیم تشریف
لائے ۔ ابھی ان سے باتیں کر رہا تھا کہ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور کی سواری
آئی ۔ میں نے موٹر تک ان کا استقبال کیا ۔ ۹ بجے کے بعد تشریف لیگئے

۲ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۲ اکتوبر ۱۹۲۴ء
حضرت مہدی میاں صاحب سجادہ مارہرہ آئے ان سے ملاقات کی ۔ انھوں نے اطلاع دی کہ
شام کو قوال آئیں گے ۔ ۹ بجے معہ داماد ول اور بچوں کے بعض شادیوں
میں گیا ۲ ½ بجے واپس آیا ۔ ہز ہائینس نواب صاحب رامپور کو آج ڈنر دینے
والا ہوں اس کے انتظام کے لئے ہوش صاحب کو احکام دئے انھوں نے حسب ایمائے
نواب صاحب ممدوح گرینڈ ہوٹل میں انتظام کرنے کے بعد اطلاع دی ۔ پانچ بجے نواب
لیاقت جنگ آئے ان کو اور ہوش صاحب کو ہمراہ لیکر ہز ہائینس نواب
رامپور کی ملاقات کو گیا ۸ بجے واپس ہوا ۹ بجے حضرت مہدی میاں صاحب
معہ قوالوں کے آئے ایک بجے تک دلچسپ صحبت رہی ۔ نواب مرزا بشیر الدین
احمد صاحب اور ہوش صاحب بھی شریک صحبت تھے ۔ ۱ بجے شب کی
گاڑی میں روح اللہ علیہ کو روانہ ہوئے ۔

۳ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء
حضرت ثقۃ الاسلام محمد رضا صاحب طباطبائی آئے فقیر شاد ان سے ملکر بہت شاد کام ہوا ۔ یہ بزرگوار

ایک دریائے علم و فضل میں سلطنت روس کے ناوک ظلم کا نشانہ ہیں چار برس سے نواب صاحب رامپور کے دامن دولت سے وابستہ ہیں۔ ۱۰ بجے بعض شاپوں میں گیا ۱۲ بجے واپس ہوا۔ حیدرآباد سے حضرت حسن علی شاہ صاحب آئے اور محمد اکرام اللہ خاں صاحب کے لئے نواب معین الدولہ بہادر کے نام سفارشی چٹھی کی خواہش ظاہر کی فقیر ان سے ملا اور غبار صاحب کو مسودہ پیش کرنے کیلئے حکم دیا۔ ۴ بجکر ۲۰ منٹ پر نواب لیاقت جنگ بہادر آئے ۵ ½ بجے ہز ہائینس رامپور معہ اسٹاف تشریف لائے جن میں چیف سکرٹری عبدالصمد خاں صاحب ملٹری سکرٹری محمد سعید اللہ خاں صاحب کرنل محمد علیخاں صاحب پرائیوٹ سکرٹری تھے ۷ ½ بجے تشریف لے گئے

۴ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ ۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء — ایک عرضداشت کا مسودہ مبیضہ کے لئے خوشنویس کو دیا گیا اس کے ساتھ نواب صاحب رامپور کے خط کی نقل بھی تھی۔ صاحبزادہ نواب بشیرالدین احمد خاں اور مہدی میاں صاحب آئے ان سے ملا ۱۰ بجے آرمی نیوی شاپ میں گیا ۲ بجے واپس ہوا

آج ہز ہائینس نواب رامپور کو فقیر نے ڈنر دیا ہے گرینڈ ہوٹل کے منیجر کو انتظام کے لئے آرڈر دیا گیا ہے۔ چار بجے نواب لیاقت جنگ آئے پانچ بجے عطیہ بیگم کی کوٹھی پر گیا انھوں نے چا کی دعوت دی تھی وہاں سے ان کے ساتھ سینما ہوتا ہوا ۷ ½ بجے کوٹھی کو واپس ہوا۔ منیجر گرینڈ ہوٹل نے میز تیار کر رکھا

تھا۔ ٹھیک ۸ ½ بجے ہز ہائینس تشریف لائے ان کے اسٹاف میں حسب ذیل حضرات تھے۔

صاحبزادہ سید جعفر علیخان بہادر۔ عبد الصمد خاں صاحب چیف سکرٹری سید محمود علیخاں صاحب پرائیوٹ سکرٹری۔ کرنل سعید اللہ خاں صاحب ملٹری سکرٹری صاحبزادہ نواب بشیر الدین احمد خاں صاحب کرنل محمد علیخاں صاحب کمانڈر۔ مرزا آغا محمد رضا صاحب ثقۃ الاسلام طباطبائی۔ مولوی انصار حسین صاحب۔ محل صاحب سید ناظر الحسن صاحب ہوش نواب لیاقت جنگ بہادر۔ برخورداران ارجن کمار عرف خواجہ پرشاد۔ خواجہ نصر اللہ۔ خواجہ اسد اللہ اطال اللہ عمرہم۔ دولھا راجہ۔ اقبال جنید میر سلیمان علی خاں دولھا بادشاہ۔ لائق علی خاں دولھا نواب بھی شریک ڈنر تھے۔ پونے دس بجے کھانے سے فارغ ہوکر ہز ہائینس معہ اسٹاف بالاخانہ پر تشریف لائے کچھ دیر بڑودہ کے قوالوں کا گانا ہوا۔ بارہ بجے یہ صحبت برخاست ہوئی ہز ہائینس کوٹھی کو تشریف لے گئے۔ میری دو لڑکیوں کو شدت سے بخار ہے

۵ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء — آج میں کہیں نہیں گیا۔ پانچ بجے شام کے نواب کی ملاقات کو کوٹھی پر گیا۔ ہوش صاحب ہمراہ تھے ۸ بجے واپس ہوا۔ میر لائق علیخاں (دولھا نواب) آج ۱۰ بجے شب کی ٹرین سے بلدہ کو روانہ ہوئے

۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / ۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء — شب کی ٹرین سے روح اللہ بلدہ سے آئے آج چھٹی شریف ہے۔ مہدی میاں صاحب سجادہ مارہرہ کے استفسا

سے قوالوں کو بلوایا گیا ۱۱ ½ بجے تک قوالی رہی ۴ بجے ہوش صاحب کو لیکر آرمی و نیوی کمپنی میں گیا ایک بجے واپس آیا ۵ ½ بجے ہز ہائینس نواب رامپور معہ اسٹاف تشریف لائے ۶ بجے تشریف لے گئے - ہز ہائینس کے اسٹاف و صاحبزادے اور پوتے کے لئے کچھ تحائف بھیجے گئے -

۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ }
۷ اکتوبر ۱۹۲۴ء } آج دسہرہ ہے ۹ بجے خواجہ کمال الدین صاحب آئے ان سے ملاقات کی قریب دس بجے کے فقیر بعض شاپوں میں گیا ۱۲ ½ بجے واپس آیا - مہدی میاں صاحب سے ملا ۵ ½ بجے ہوش صاحب کو لیکر ہز ہائینس کی ملاقات کو گیا ۶ بجے واپس آیا - برخوردار خواجہ نصر اللہ و خواجہ اسد اللہ طول عمرہما نے آج نواب صاحب کے منجھلے صاحبزادہ سید جعفر علی خاں عرف مولانا کو ٹی پارٹی دی ہے - صاحبزادہ موصوف کے ہمراہ ثقۃ الاسلام طباطبائی حافظ احمد علی خاں صاحب کنٹرولر اسسٹنٹ پرائیوٹ سکرٹری تھے چائے نوش کی - ۸ بجے شب کو ہوش صاحب کو ہمراہ لیکر ۹ بجے ناٹک میں گئے -

۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ }
۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء } ۸ بجے صاحبزادہ نواب بشیر الدین احمد خاں صاحب سے دیر تک باتیں کرتا رہا - صاحبزادہ موصوف علم مجلس میں کامل مہارت رکھتے ہیں - چیدہ چیدہ اشعار اساتذہ کے ہزاروں یاد ہیں ذی اخلاق خوش طبع بذلہ سنج باوضع ظریف الطبع ہیں - ہوش صاحب سے ملا مہدی میاں صاحب سجادہ آئے ان سے ملاقات کی (۱۰) بجے ہوا خوری

کو گیا ۱۲ بجے واپس آیا۔

آج ہز ہائینس تشریف لیجانے والے ہیں ۔ ۲ بجے فقیر بھی سوار ہوکر رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن پر گیا صاحبزادہ بشیر الدین احمد خاں صاحب ۔ ہوش صاحب فقیر کے ہمراہ تھے ہز ہائینس کو امام ضامن باندھا۔ مفارقت کی ۔ ع

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

ادہر ہز ہائینس کا پیمانہ چشم چھلک گیا ۔ ادھر فقیر شاد کا ٹھیک چار بجے اسپشل روانہ ہوئی ۔ فقیر بھی کوٹھی کو واپس آیا ۔ ۵ بجے زنانہ کو سوار کرا کر تاج ہوٹل گیا ۸ بجے تک وہاں کے منظر سے شادکامی حاصل کرکے واپس ہوا ۔ ۱۰ بجے مہدی میاں صاحب قوالوں کو لائے ۱۲ بجے تک قوالی ہوتی رہی ۔

۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / ۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء } نواب بشیر مرزا صاحب اور ہوش صاحب سے ملاقات کی ۱۱ بجے اسٹیشن پر ڈیے دیکھنے کے لیے گیا ۔ ۴ بجے ثقۃ الاسلام طباطبائی آئے ان سے ملاقات کی ۵ ½ بجے ان کو ہمراہ لیکر حضرت پیر ابراہیم افندی کی ملاقات کو گیا ۸ ½ بجے کوٹھی کو واپس ہوا

۱۰ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۴ء } حوائج ضروری سے فارغ ہوکر ۸ بجے سیٹھ نروتم داس سے جو آئے بیٹھے تھے ملاقات کی وہ مجھے اپنی کوٹھی پر زمین دکھانے کے لئے لے گئے جو فروخت ہونے والی تھی ۹ ½ بجے واپس ہوا ۔ آج صبح کی ٹرین سے اکناتھ بلدہ سے آئے ۔ ۱۱ بجے پارک کمپنی میں

گیا ایک بجے واپس ہوا۔ آج شام کو سفیر ایران آغا اسد اللہ خاں منیع الملک بہادر قونسل ایران اور ثقۃ الاسلام آئے۔ ان سے ملاقات کی۔

کل صبح کو فقیر یہاں سے روانہ ہونے والا ہے اسٹیشن پر سامان لیجانے کے لئے موٹریں منگائی گئی ہیں۔ ۱۰ بجے مع فیاملی فقیر اسٹیشن پر گیا اور اپنے اسپشل ڈبوں میں جاکر بیٹھا شب کو ہوش صاحب۔ (شبیر حسن جوش ملیح آبادی) جو بلدہ سے آئے تھے نواب بشیر الدین احمد خاں صاحب بھی اسٹیشن پر رہے۔

۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ ۱۱ اکٹوبر ۱۹۲۴ء	سات بجے صبح کے ہمارے اسپشل ڈبے ٹرین میں لگائے گئے اور ہم مع الخیر والعافیت منماڑ کو روانہ ہوئے کلیان ہوتے

ہوئے اگت پوری کے پہاڑوں کی دلفریب سینریوں سے دلچسپی حاصل کرتے ہوئے ۵ بجے منماڑ پہونچے۔ ڈبے سائڈنگ میں پہونچائے گئے۔ ٹرین جب پہونچی ہے تو دو انجن ٹکرا گئے تھے تین آدمی زخمی ہوئے۔ انجن چکنا چور ہو گئے فقیر ان کے دیکھنے کے لئے گیا۔ غیار صاحب نے بلدہ جانے کی اجازت چاہی اور وہ ۹ بجے ۴ منٹ پر بلدہ کو روانہ ہو گئے۔ فقیر یہاں سے کل ۱۲ بجے کی ٹرین سے اورنگ آباد روانہ ہو گا۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ ۱۲ اکٹوبر ۱۹۲۴ء روز دوشنبہ ۷ آذر ۱۳۳۴ف	دن کے ۱۲ بجے منماڑ کی چھوٹی لین سے سوار ہو کر ۴ بجے اورنگ آباد پہونچا۔ ساڑھے پانچ بجے اپنے باغ الٹولیہ میں پہونچا۔ ۶ بجے محمد فرید الدین صاحب وکیل

سرکار عالی کے مکان پر مجلس میلاد النبی میں ان کی خواہش پر شریک ہوا۔

۱۳/ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۳/ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۸/ آذر ۱۳۳۴ف

۸ بجے حضرت سید میاں رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں گیا۔ پھر شام تک کہیں نہیں گیا۔

۱۴/ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۴/ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۹/ آذر ۱۳۳۴ف

شام کو ترنگ پرشاد ولد موتی لعل منصبدار ساکنہ اورنگ آباد علی محمد صاحب مہتمم کوتوالی اورنگ آباد ہدایت علی صاحب ہیڈ کوارٹر۔ محمد علی رضا خاں صاحب اول تعلقدار ضلع اورنگ آباد ڈاکٹر کیخسرو وسہراب جی وغیرہ ملاقات کو آئے سب سے ملاقات کی۔

۱۵/ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۱۰/ آذر ۱۳۳۴ف

آج صبح کے ۸ بجے حضرت شاہ نور حموی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں زیارت کے لئے گیا۔ یہ بزرگوار بغداد سے آئے تھے۔ برہانپور اور احمد نگر میں کچھ دن قیام کرکے شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں اورنگ آباد تشریف لائے یہ مقام انکو ایسا پسند آیا کہ قیامت تک اٹھنے کی قسم کھالی۔ سنہ ۱۱۰۲ھ میں وفات پائی۔
شام کو چھوٹے لعل سندر لعل۔ نارائن پرشاد صاحب۔ غلام قادر خاں صاحب ممبران مدرسہ سرسوتی بھون۔ ساجد علی صاحب عباسی۔ ڈگمبر داس صاحب راجہ رام سید سخاوت حسین صاحب۔ ڈاکٹر کیخسرو وسہراب جی جو مسرت محل مرحومہ کی بڑی اور منجھلی لڑکیوں کے معالج ہیں آئے سب سے۔ ملاقات کی۔ ممبران سرسوتی بھون کی جانب سے ۱۸/ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۳ھ کو دعوتی کارڈ پیش ہوا خوشنویسوں

کویا ودھی کا حکم دیا گیا۔

۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ، ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء، ۱۱ آذر ۱۳۳۴ف — صبح کو کہیں گیا۔ شام کو چار بجے ہوا خوری کو گیا۔ واپسی میں ڈاکٹر کیخسرو جو آئے بیٹھے تھے ملاقات کی شہر اورنگ آباد ہندوستان کے مشہور تاریخی مقامات سے ایک مقام ہے جو کھام ندی پر آباد ہے اس شہر میں نہر سے گھر گھر پانی پہونچتا ہے۔ یہاں کا مشروع۔ کمخواب اور ہمرو مشہور ہے انجیر۔ گلاب۔ اور انگور کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس شہر کو ۱۰۰۹ھ میں ملک عنبر حبشی نے بنا کر کے کھڑکی نام رکھا مگر اورنگ زیب نے اپنے نام کی مناسبت سے اورنگ آباد نام رکھا۔

ملک عنبر کا شمار بیجاپوریوں کے غلاموں میں ہے چند حبشیوں کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے یہاں فوج میں داخل ہو کر خدا داد عقل و شجاعت سے مرتضیٰ نظام شاہ کے ممالک مقبوضہ کو شہنشاہ اکبر اعظم کی قہار فوج کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسن تدبیر اور زور تقدیر سے کل نظام شاہیہ سلطنت میں ملک عنبر کا اقتدار بڑھ گیا۔ یہاں تک ترقی کی کہ وزیر السلطنت ہو گیا۔

ملک عنبر فنون سپہگری میں فرد اور قواعد سرداری میں اپنی الیتائی کا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی۔ رعایا کی بہبودی میں سرگرم۔ عدل وداد کو ہر کام پر مقدم اور ہمیشہ خود کو تقوے و صلاح کے لباس سے آراستہ رکھتا تھا۔ ملک مذکور نے اپنے آباد کئے ہوئے شہر (اورنگ آباد) میں بہت یادگاریں

چھوڑی ہیں منجملہ ان کے دو مسجدیں ہیں ایک چوک کی پشت پر اور دوسری
نواب پورہ میں واقع ہے یہ دونوں کالی مسجدیں مشہور ہیں۔ تیسری یادگار مسجد
جامع ہے جس کے تین درجے ملک عنبر نے بنوائے ہیں۔ اور دو درجے شاہ اورنگ
زیب نے بڑھا دئے ہیں چوتھی یادگار نہر ہے جو اورنگ آباد کے گوشہ شمال
ومشرق کے پہاڑوں سے لائی گئی ہے اور فصیل شہر سے دو حصوں پر تقسیم ہوگئی
ہے پانچویں یادگار دروازہ بھارکل المعروف یہ بھڑکل ہے اورنگ آباد کی
عمارتوں میں رابعہ دورانی کے مقبرہ کے بعد یہ عمارت ہے چھٹی یادگار کالا
چبوترہ ہے جس پر اب خونیوں کی گردنیں ماری جاتی ہیں۔ ہاتھیوں کی لڑائی کا
تماشا دیکھنے کے لئے ملک عنبر ہی نے بنوایا تھا۔ ملک عنبر کا گنبد اپنے قریب
قریب کے گنبدوں سے شاندار اور بلند ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنا
گنبد اپنی حیات میں بنوایا تھا۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں اورنگ آباد بہ لحاظ
آبادی یہ شہر درجہ دوم کا ہے۔ شاہان بہمنیہ کے عہد سے اس کا خطاب خجستہ
بنیاد ہے مشہور عمارات محل اورنگ آباد۔ رابعہ دورانی کا مقبرہ اس میں سامان
مرحومہ کا اب تک موجود ہے فقیر نے اس کے قبل سفر ۱۳۳۴ھ میں اس مقبرہ
کا تفصیلی معائنہ کیا تھا۔ انگور کے دانہ لیست۔ متعدد قرآن جو مرحومہ کی تلاوت
کے تھے۔ پرانی چینی کے ظروف۔ کاشانی پردے قالین۔ قناتیں۔ تانبے
کے برتن۔ ایرانی ساخت کے تمام چینی کی سلفچیاں وغیرہ اور اسی زمانہ کا ہر قسم کا

غلہ وہاں موجود ہے۔ یہ مقبرہ آگرہ کے تاج محل کے نمونے پر شاہزادہ اعظم شاہ نے اپنی ماں رابعہ دورانی بیگم محل چہارم اورنگ زیب کی یادگار میں ۱۰۷۱ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ یہ مقبرہ پانسو گز طول اور تین سو گز عرض زمین پر واقع ہے اس میں چھ لاکھ اڑسٹھ ہزار دو سو تین روپیہ عالمگیری کا خرچ ہوا ہے۔ غار لیتا جو بدھ کے زمانہ میں کھودے گئے ہیں عجیب و غریب قدرت النسانی کا نمونہ ہیں اورنگ آباد کی آبادی نہایت خوبصورت اور دل فریب ہے مجھے یہ شہر بہ نسبت دکن کے زیادہ پسندیدہ ہے، اگرچہ وطن مادری حیدرآباد ہے۔ اس شہر میں ایک دلچسپ اثر ایسا ہے کہ یہاں آکر حیدرآباد واپس جانے کو طبیعت نہیں چاہتی اس کی آبادی کچھ ایسی ترتیب سے مرتب ہوئی ہے جو فطرۃً نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ صوبہ صوبجات سلطنت دکن میں ایک خودمختار صوبہ ہے اور ہندوستان کے داخلی و خارجی دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے یہ صوبہ ممالک سرکار عالی کے گوشہ شمال و مغرب میں پھیلتا چلا گیا ہے اور اپنے وسیع دامن میں بہت سے صحرائی میدانوں اور کوہستانی مناظر کو لئے ہوئے ہے اس کا طول شرقاً و غرباً (۲۴۰) میل اور عرض شمالاً و جنوباً (۱۳۰) میل رقبہ کل صوبہ کا (۹۷۱۸۵) مربع میل اور مردم شماری (۲۴۳۵۸۶۲) خاص اورنگ آباد کی مردم شماری (۱۹۰۴۹) ہے عموماً تمام صوبہ کے باشندے جفاکش سپاہی منش مضبوط اور قوی الاعضا ہوتے ہیں۔ زبان و مذہب کے اعتبار سے

فیصد (۸۰) آدمی مرہٹی اور باقی فارسی ۔ اردو ۔ تلنگی ۔ گجراتی ۔ مارواڑی اور بخاری بولتے ہیں ۔ مذہب جین ۔ ہنود ۔ سکھ ۔ مسلمان ۔ پارسی ۔ یہود اور عیسائی ہیں ۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور روح افزا ہے ۔

۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۷ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۲۱ آذر ۱۳۳۴ف

آج عناصر کے اعتدال میں فرق ہے سردی معلوم ہوتی ہے ۔ بخار کی شدت ہے (۱۰۴) درجہ بخار ہے ڈاکٹر کیخسرو اور کنٹونمنٹ کا ڈاکٹر میجر اوڈ معالج ہیں ۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء
۲۲ آذر ۱۳۳۴ف

آج بخار میں کمی ہے ضعف بہت ہے ۔ آج ممیران سرنوتی بھون کے پاس دعوت ہے لیکن علالت کی وجہ سے نجا سکا ۔ بلدہ سے عینی شاہ صاحب آئے تھے ان سے ملاقات کی شام کو محمد فریدالدین صاحب وکیل سرکار اور محمد رضا خاں صاحب اول تعلقدار وغیرہ مزاج پرسی کو آئے ان سے ملاقات کی ۔ آج شب کی ٹرین میں اپنے اسپیشل ڈبے اٹاچ کئے جانے کا منتظم انگریزی کو حکم دیا ایک بجے کی ٹرین میں ڈبے لگائے گئے اور فقیر معہ فیاملی و ملازمین کے پرلوترا اپنی جاگیر میں پہونچا ڈبے سائڈنگ میں پہنچائے گئے ۔ امام الدین صاحب تعلقدار نے میرے آنے کی خبر سنکر ریلوے اسٹیشن کے باہر کا حصہ و پلیٹ فارم رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ کر رکھا تھا ۔ سربراہی کے لوگ آئے ہوئے تھے ۔ صبح کو کیمپ کی آسایش کے لئے دو دکانیں کھولی گئیں ۔ اسٹیشن پر غیر معمولی چہل پہل ہو گئی ۔

شام کے پانچ بجے رعایائے پرتور نے نذریں پیش کیں جن میں پٹیل ۔ پٹواری وکلار دلیسمکہ اور انعامدار وغیرہ تھے باقی نذریں کل پر منحصر رکھی گئیں ۔

۹ ار ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۱۹ ار اکٹوبر ۱۹۲۴ء
۲۴ ار آذر ۱۳۳۴ف

آج صبح کو بیل گاڑی میں جو وہاں بجائے موٹر کے ہے شکار کو گیا ۔ بچے سلمہم اللہ تعالیٰ ہمراہ ہیں تیندوں کا شکار کیا شام کو باقی ماندہ رعایا نے نذریں گذرانیں علی قدر مراتب حسب معمول دوشالے تقسیم کئے گئے

۲۰ ار ربیع الاول ۱۳۴۳ھ
۲۰ ار اکٹوبر ۱۹۲۴ء
۵ ار آذر ۱۳۳۴ف

آج شب کو میں یہاں سے روانہ ہونے والا ہوں منتظم انگریزی کو شب کی ٹرین میں ڈبے لگائے جانے کا حکم دیا وہاں سے روانہ ہوکر ۸½ بجے ناندیڑ پہونچا نبی یار خاں صاحب دوم تعلقدار فقیر کے استقبال کو آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کی انھوں نے کیمپ کی سربراہی کے لئے دو کانیں کھلوادیں. شام میں گوردوارہ کے درشن کو معہ محلات گیا ۔

ناندیڑ اور اس کا گوردوارہ ۔ ناندیڑ حضور پرنور نظام الملک خلد اللہ ملکہ کے حدود مملکت میں صوبہ اورنگ آباد کے مشرقی گوشہ میں واقع ہے ضلع پربھنی اور دریائے بین گنگا ۔ اس کے شمالی حدود اور نظام آباد و بیدر جنوبی حدود کو ظاہر کرتے ہیں ۔ مشرق میں عادل آباد و دریائے مانجرا مغرب میں ضلع بیڑ ہے ۔ یہاں کے عامہ خلایق میں صرف دو زبانیں یعنی اردو اور

مرہٹی مروج ہے اور مذاہب کی حیثیت سے آبادی کی تقسیم چھ قسموں پر ہوسکتی ہے یعنی ہندو ۔مسلمان ۔جین ۔سکھ ۔پارسی ۔عیسائی لیکن باوجود اختلاف مذاہب کے تمام خلائق نہایت امن و عافیت اور آپس میں محبت و پیار کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے ۔اگرچہ اس یگانگت اور اتحاد کا سلسلہ آصف جاہ بانی سلطنت کے ہی زمانہ سے پایا جاتا ہے لیکن اس میں بہت کچھ ترقی محبوب دکن غفران مکان علیہ الرحمتہ کے روشن زمانہ میں ہوئی یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی صلح کل پالیسی جو انھیں موروثی طور سے حاصل ہوئی تھی اس میں مرحوم نے اپنی ذاتی خوبیوں سے نمایاں اضافہ فرمایا اور وہی سلسلہ بحولہ اس وقت تک دیکھا جاتا ہے ۔

یہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے مگر سردی اور گرمی اپنے اپنے موسم میں دونوں بشدت ہوتی ہیں ۔

یہاں ایک گردوارہ ہے جس کے درشن کا ارادہ ظاہر کرکے اس کے تاریخی حالات کا ذکر کیا جاتا ہے ۔اس گرودوارہ کا تعلق مذہبی ریفارمروں کی ذات سے ہے یہ سکھوں کے مشہور و معروف ۔گرو گوبند سنگھ دسویں بادشاہ کے نام سے مشہور ہے ۔باباگرونانک شاہ صاحب کے دس جانشین ہوئے ہر ایک جانشین بادشاہ کے نام سے موسوم ہوتا گیا ۔اور اس کے ساتھ لفظ اول و دوم کا جانشینوں کی تعداد کے لحاظ سے اضافہ ہوتا رہا چنانچہ

دسویں جانشینی اور خلافت ان پر ختم ہوئی۔ یہ بات مشہور ہے کہ فقیر شاد کے جد امجد مہاراجہ چندو لعل پیشکار مراتب وزیر سلطنت آصفیہ کے زمانہ سمت ۱۸۸۸ بکرمی میں اس گرودوارہ کی تعمیر ہوئی اس تعمیر میں سکھ بھی شریک تھے۔ فقیر کے جد امجد مہاراجہ نرندر مرحوم فرماتے تھے کہ اس کی تعمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت سے بھی امداد ہوئی تھی جو جاجازت والی دکن شریک مصارف تعمیر کی گئی رعایا پرور و صلح کل سلطنت آصفیہ نے اس کے استحکام اور بقا کے واسطے ایک معقول علاقہ اس گوردوارہ کے واسطے عطا فرما کر اپنی رعایا پروری اور صلح کل پالیسی کا ثبوت دیا۔ درمیان میں کسی وجہ سے اس علاقہ کے دو موضع سرکار عالی میں ضبط ہو گئے تھے جو حضرت غفران مکان محبوب بادشاہ کے زمانہ میں فقیر شاد کی عرضداشت کی بنا پر واگذاشت کر دیے گئے اُس وقت فقیر کو سلطنت آصفیہ کی وزارت عظمیٰ کی عزت حاصل تھی۔

گرو گوبند سنگھ سکھوں کے ہادیان طریقت میں سے دوسرے شخص ہیں جنھوں نے اُس وقت کے حالات کے لحاظ سے متاثر ہو کر تلوار کو اپنی تعلیم کا محافظ بنایا تھا اور جن کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی نے سلاطین مغلیہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے۔ بلکہ اگر کہا جائے کہ ہندوستان کی تاریخ میں بہادر اور جری اقوام میں ایک اور قوم کا وجود شمار کرا دیا تو بیجا نہ ہوگا۔

جب ہم گرو گوبند سنگھ کے حالات کے متعلق یہاں بین کرنا چاہتے ہیں تو اس وقت

بہت سی روایتیں ایسی ملتی ہیں جو اعتقادی خیالات سے لبریز ہیں اور ان میں سے اکثر ایسی بھی ہوتی ہیں جو قصہ کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں لیکن انھیں حکایات کی تہ میں اصل واقعات کا وجود بھی چھپا ہوا ہوتا ہے اس لیے ہم کو ان مشہور عام قصوں اور حکایات میں سے ہی اصل واقعات اور حالات کو ڈھونڈھ ڈھانڈ کر نکالنا پڑتا ہے۔

جب ہم تعصب کی عینک کو اپنی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ گرو گوبند سنگھ سنہ ۱۶۶۶ء م سنہ ۱۷۲۳ بکرمی میں پٹنہ عظیم آباد کے مقام پر گرو تیغ بہادر کے گھر میں پیدا ہوئے۔

گرو تیغ بہادر سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اورنگ زیب کے تقرر جزیہ سے ناراضی کا اظہار کیا اور اپنی مذہبی حمایت کے لیے تلوار کو اپنا حامی قرار دیا۔

اس پر آشوب زمانہ میں گرو گوبند سنگھ سا بہادر طبیعت شخص تیغ بہادر جیسے شخص کی تربیت میں پرورش پا رہا تھا۔ انھیں آئے دن کی چھوٹی چھوٹی شورشوں اور ہنگاموں نے اس بہادر اور شیر دل ہستی میں جنگ کو کھیل بنا دیا تھا۔ چنانچہ ہماری آنکھیں ان واقعات سے جو اس مقدمہ ہستی کے بچپن سے متعلق ہیں اس قدر نتیجہ تک ہمیں پہونچا دیتی ہیں کہ کھیل کود کے بدلے اس بہادر بچہ کا کھیل فوجی نقل اتارنا اور آپس میں نقشہ جنگ قایم کرنا اور اپنے ساتھی بچوں

پر کمانڈنگ کی حیثیت سے حکومت کرنا داخل ہے۔ گرو گوبند سنگھ کی تمام تر
اولوالعزمیوں کا راز ان کھیلوں میں پوشیدہ ہے اور یہیں سے انکے کارناموں
کی ابتدا ہوتی ہے جو ان کے زمانہ میں ان کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔
لیکن گرو تیغ بہادر چھوٹی چھوٹی شورشوں اور مقابلوں کے بعد شاہی عمالوں کے
ہاتھ سے مارے گئے اور اس واقعہ سے سکھوں کی جاہل مگر بہادر قوم میں
ایک عام جوش اور مخالفت پیدا ہو گئی۔
چنانچہ اس واقعہ نے سکھوں کی قوم میں برق رفتار تیزی کے ساتھ فنون
جنگ کا شوق پیدا کر دیا اور سپاہیانہ فنون کی تحصیل شروع کر دی۔ گو
آخر اس اسپرٹ نے یہاں تک زور پکڑا کہ گرو تیغ بہادر کے فرزند گرو گوبند سنگھ
موصوف کو سکھوں نے اپنا سردار بنایا اور اس بہادر سپاہی کی ماتحتی میں شاہی
افواج سے کھل کر مقابل ہو گئے اور برابر مقابل ہوتے رہے۔
سکھوں کی ابتدائی نشو و نمو سے لیکر گرو گوبند سنگھ کے زمانہ تک کے حالات
بالکل علیحدہ نوعیت رکھتے ہیں۔ اور جہاں تک ان کے حالات سے نتیجہ برآمد
کیا جا سکتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گورو اپنے چیلوں کو موحدانہ خیالات
کی تعلیم سکھا رہے ہیں اور اخلاقی تعلیم کو اپنے معتقدین کے خیالات اور انسانی
ہمدردی کو طبیعت ثانیہ بنایا جا رہا ہے لیکن گرو تیغ بہادر کے قتل کے بعد
بالکل رنگ بدلا ہوا پایا جاتا ہے اور اس خشک اور سادہ تعلیم میں جنگ

اور خونریزی کی امنگ کا رنگ نظر آرہا ہے۔ اس خداترس قوم میں جو عافیت اور گوشہ نشینی کا سبق پڑھ رہی تھی یکایک خونبہا طلب کرنے کا جوش پیدا کیا جا رہا ہے۔ صرف اسی قدر نہیں ہوا کہ سکھوں میں خون بہا طلب کرنے کی آتش غضب مشتعل ہوگئی ہو بلکہ سکھوں کے مشہور و معروف گورو گوبند سنگھ نے اپنے طرز تعلیم کو بدلا اور مناسب وقت اجتہاد سے کام لیکر حمیت اور غیرت کا جوش ظاہر کرنے کا ارادہ کیا جن کے بچپن کے کھیل اس امر کا صاف صاف پتہ دے رہے تھے کہ یہ ہونہار بچہ کسی وقت ایک اعلیٰ درجہ کا بہادر سپاہی ثابت ہوگا جس کے ہر عمل سے ساتھ کھیلنے والے بچے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قوت عالی نظری اولوالعزمی بلند حوصلگی کو دیکھ دیکھ کر خود ہی خود دبے جاتے تھے جو آگے چلکر زمانہ میں ایک یادگار انسان تھا۔

چنانچہ جب ہم گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں اور سابقہ تعلیم سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم کو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے قلوب میں ہر وقت جوش اور حمیت کی روح پھونک رہے ہیں اور عام اصول تعلیم کے ساتھ غیرت اور احساس کو پیدا کررہے ہیں جس کا صریحی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم جو پہلے کسی شمار اور قطار میں نہ تھی وہ ہندوستان کے متمدن اقوام میں شمار ہونے لگی جن میں غیرت اور حمیت۔ شجاعت اور بہادری مثل طبیعت ثانیہ کے ہوتی تھی۔

بہر حال جب ہم اس قلیل گروہ کے حالات کو اس کے نشو و نما سے آج تک کے واقعات تک پیش نظر رکھ کے دیکھتے ہیں تو ہم اس امر کو فوراً ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ اس قوم میں صرف گرو گوبند سنگھ ہی کی ذات ایسی ذات ہے جس نے اپنی قوم کو ترقی کا خوشنما چہرہ دکھایا اور جس نے احساس اور حمیت کو کوٹ کوٹ کر قومی قالب میں ایک تازہ روح پھونک دی جس نے کاہلی اور سستی کا منحوس لباس اتار کر چستی اور مستعدی اور پوری پوری جفاکشی کا جامہ پہنا دیا۔ جس نے ہندوستان کے اکثر حصص میں اپنی تعلیم کو پہونچایا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغلیہ افواج سے مقابلہ اور جنگ آزمائیوں کے بعد گورو صاحب نے اپنے آپ کو گنجان اور سنسان جنگلوں میں داخل کر دیا ہے اور ان بھیانک اور خطرناک مناظر کے مشاہدے سے عرفانی کیفیات کا لطف اٹھاتے ہوئے اور ہر مقام پر اپنی تعلیم کے چشمے بہاتے ہوئے سرزمین دکن میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہاں پہونچکر اس خدا کے ولی نے اپنی تعلیمات کے دریا سے تشنہ کامان عرفان و وجدان کی پیاس کو بجھایا اور اپنی نیک اور حمیدہ خصایل سے خدا کی مخلوق کے قلوب کو مسخر کیا اور قوم کے لئے اپنی اولاد کو قربانی دینا اپنا فریضہ سمجھا اور خود قوم پر نثار ہونے کو تیار ہو گئے آخر کار اس پاک روح نے اپنے قالب عنصری کو کاتک سدی پنجمی سمت ۱۷۶۵ بکرمی مطابق سنہ ۱۸۰۱ء ۴۲ سال نو ماہ ۲۸ دن کی مدت دنیا میں گذارنے کے بعد اس خاکدان کو ہمیشہ کے

لئے چھوڑ دیا اور دنیا کی ظاہر بین نظروں سے ایک پٹھان کو ان کا قاتل بنے ہوئے دیکھا۔ یہ واقعہ جانگداز اور سانحہ روح فرسا اسی سرزمین ناندیڑ ہی پر وقوع پذیر ہوا اور ہمیشہ کے لئے اس زمین کو وہ اعزاز حاصل ہو گیا جو کسی ولی خدا کے وجود سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس واقعہ کو مدت مدید گذر گئی۔ آفتاب نے اپنی گردش سے ہزاروں رات اور دن بنا ڈالے انسانوں کی بہت سی نسلیں آکر چلی گئیں رات اور دن نے کل یوم ھو فی شان کے لحاظ سے بے تعداد تبدیلیاں کر دیں لیکن اس واقعہ کی یاد کو زمانہ نہ بھولا نہ بھول سکتا ہے برابر اس پاک نفس کی بیکسی پر روتا رہا اور روتا رہے گا۔ یہی ایک چیز ہے جو اس بات کی خبر دے رہی ہے کہ جس نے اپنی ہستی کو اس ذات پاک میں جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ملا دیا ہے وہ زندہ جاوید ہے۔

آخر سنہ مذکور الصدر میں اس یاد کا ثبوت دیا گیا جو اندر ہی اندر قلوب میں چٹکیاں لیتی ہے اور یہ گوردوارہ جس کی زیارت اور درشن کے لئے یہ فقیر کھڑا ہوا ہے تعمیر کر دیا گیا۔

چنانچہ دیکھا جا رہا ہے کہ گرو صاحب موصوف کے چیلوں نے اپنی گرانمایہ دولت کو نہایت کشادہ دلی سے اپنے ہادی طریقت کی یادگار قایم کرنے میں صرف کیا اور تمام عمارت کو سوائے چہار دیواری کے سونے کے کلس میں چھپا دیا ہے اور

تا امکان اپنے اظہار عقیدت میں کامل ایثار سے کام لیا ہے۔ یہی نہیں۔ بلکہ اس برگزیدہ ہادی کی یاد میں بہت سے خیر اور نیکی کے کام اس مقام پر کیے جاتے ہیں اور اپنی ابتدائی گوروؤں کی تعلیم کو آج تک عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اور ہمیشہ ان نصائح کو پڑھ پڑھ کر معتقدین و غیر معتقدین کو سنایا جاتا ہے جو گوروؤں نے اپنے گرنتھوں میں سکھائے ہیں جو اخلاقی درستی معاشرتی اصلاح اور عرفانی سبق سے مملو ہیں۔

درشن اور پوجا سے فراغت حاصل کر کے اسٹیشن پر واپس ہوا اور منتظم انگریزی کو دس بجے کی پاسنجر میں اپنے اسپشل ڈبے اٹیچ کیے جانے کا حکم دیا۔ ٹرین روانہ ہونے سے پہلے اسٹیشن پر علی رضا صاحب زائد ناظم یا سط خاصہ صدر منصف۔ ثابت علی صاحب منصف جلال الدین صاحب مہتمم پولیس محمد ابراہیم خاں صاحب پیشکار تحصیل نواب نبی یار خاں صاحب دوم تعلقدار ولدیب سنگھ صاحب مہتمم گردوارہ خدا حافظ کہنے کے لیے موجود تھے۔ سب سے رخصت ہوا دس بجے ہماری ٹرین روانہ ہو کر ساڑھے ۱۰ بجے بلارم اسٹیشن پر پہونچی۔ اسٹیشن پر بلدہ سے مسٹر گنڈیراؤ معتمد اسٹیٹ۔ غیاث الدین مددگار۔ لطف الدین صاحب تعلقدار۔ لچھمن راؤ جمعدار وغیرہ حاضر تھے سب سے ملکر موٹروں میں معہ فیاملی اور بچوں کے سوار ہو کر الوال میں آیا۔ اور آج تک یہیں ہوں۔

ہم آزادوں کے دل کو شوق آسائش پسندی ہے
وہاں کچھ دیر تک ٹھیرے جہاں ٹھنڈی ہوا پائی

الوال فقیر کی جاگیر ہے یہاں - چند مندر ہیں بڑے مندر میں بالاجی کی مورتی ہے جس کی وجہ سے الوال کی شہرت ہے ہر سال جاترہ ہوا کرتی ہے سفر کے ساتھ روزنامچہ بھی ختم ہوا فقط